بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی **محسنِ ادارہ:** الحاج شفیع محمد قادری

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری

ISBN 978-969-9266-04-1

ماہنامہ
معارفِ رضا
کراچی

جلد: 32 شمارہ: 06

جون ۲۰۱۲ء / رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے

سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے

بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ﴿ادارہ﴾

حُسنِ ترتیب (شمارہ جون ۲۰۱۲ء)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+

ای میل: imamahmadraza@gmail.com، ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

اپنی بات

مذہبی عسکریت پسندی

پروفیسر دلاور خاں

اسلام امن و آشتی کا دین ہے۔ اسلام اور مسلم ہی کے نام سے سلامتی کا پیغام ملتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان کی تعریف ہی یہ کی گئی کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے بے گناہ لوگوں کی جان و مال محفوظ رہیں۔ انسانی جان کی حرمت و تقدس کا اندازہ صرف اس نکتے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک انسان کا قتل گویا پوری انسانیت کا قتل ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر دوران جنگ بھی کسی غیر محارب لوگوں کے قتل کی اجازت نہیں۔ ہتھیار ڈالنے والے، گھروں میں بند ہو جانے والے یا کسی کی امان میں آجانے والوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

عبادت گاہوں اور عمارتوں کو برباد کرنے کی اجازت نہیں، یہاں تک کہ کھیتوں، فصلوں اور درختوں کو بھی تباہ کرنے کی ممانعت ہے۔ میدانِ جنگ میں ضعیفوں اور بیماروں کو قتل کی اجازت نہیں۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ہتھیار کے ذریعے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرے فرشتے اس وقت تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اشارہ ترک نہ کر دے۔ (مسلم: کتاب البر وصلہ)

حضورِ اکرم ﷺ کی یہی تعلیمات تھیں، جن کا عملی مظاہرہ آپ نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں فرمایا۔ آپ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین نے بھی امن و سلامتی کو معاشرے میں برقرار رکھنے کے لیے کئی اقدامات کیے، جس کی وجہ سے اسلام میں وسعت ہوئی۔ ان امن پسند تعلیمات ہی کا اثر تھا کہ لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔

اسی طرح جب مسلمانوں کے زیرِ اثر علاقوں میں وہاں کے فلسفیوں اور دانشوروں نے اسلام پر اعتراضات کیے یہ ہو سکتا تھا کہ اس وقت کے حکمران ان کے علمی جوابات دینے کی بجائے ایسے لوگوں کے قتل کا فیصلہ صادر کرتے، لیکن تاریخ شاہد ہے انہوں نے علمی سوال کا جواب دہشت گردی سے نہیں دیا، بلکہ علما کو دعوت دی کہ ان کے علمی سوالات کے علمی جوابات دیے جائیں۔ اسی طرح سے اس وقت کے علما نے بادشاہ کو یہ فتویٰ بھی نہیں دیا کہ ایسے لوگوں کا سر قلم کر دیا جائے جو اسلامی تعلیمات پر اعتراضات کرتے ہیں، بلکہ ان علما نے دات دِن محنت کر کے ان کے اعتراضات کے علمی جوابات دیے۔ اس علمی بحث و مباحثے میں پورا علم الکلام وجود میں آیا۔ اسی طرح جب لوگوں نے حدیث پر اعتراضات کیے تو محدثین نے ان کے علمی جوابات دیے۔ ان کی اس علمی کاوش سے علم الحدیث معرضِ وجود میں آیا کہیں پر بھی دہشت گردی اور تشدد کا راستہ اختیار نہیں کیا گیا۔ علمی مسائل دلائل اور براہین کے ساتھ حل کیے گئے اس فکر و نظر کے ماحول میں علمی بحثوں کے نتیجے میں کئی علوم معرض وجود میں آئے۔ اگر اس حکمتِ عملی کے بجائے تشدد کا راستہ اختیار کیا جاتا تو یہ علوم وفنون معرضِ وجود میں نہیں آتے۔

اس طرح صوفیا نے اسلامی تعلیمات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کا پیغام "محبت" تھا وہ گناہ سے نفرت کرتے ہیں، لیکن گناہ گار سے۔ نہیں یہ فلسفہ تھا کہ بہت سے گناہِ کبیرہ میں مبتلا لوگ راہِ راست پر آگئے اور اسلام کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

یہ وہ تعلیمات تھیں جن سے مسلمان پہچانے جاتے تھے ان کی امن پسندی ہی اسلام کے فروغ کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھی۔ آج اس آئینے میں مسلمان اپنا کردار دیکھیں تو اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔ کہیں مسلمانوں کے قتل عام کے لیے لسانی اور صوبائی عسکریت پسندی سے کام لیا جاتا ہے اور کہیں سیاسی عسکریت پسندی کے جوش میں آکر

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر کے سیاسی دکان چمکا رہا ہے کہیں اسلحے کو اپنا زیور قرار دے کر اپنے گھروں میں انسانوں کے قتل کے لیے اسلحہ کے ڈھیر لگائے جا رہے ہیں۔ کہیں لاکھوں کی تعداد میں اسلحہ تقسیم کر کے فخر کیا جا رہا ہے۔ اسلام اور آئین پاکستان میں اس قسم کی کارروائیوں کی کوئی جگہ نہیں۔ ان دہشت گرد تنظیموں نے پاکستان اور اسلام کو اتنا نقصان پہنچایا کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی اتنا بڑا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اس سے بھی زیادہ قابلِ مذمت مذہبی عسکریت پسندی ہے۔ آج اپنے عقائد و نظریات کی کمزور بنیادوں پر کھڑے کرنے کے لیے اور مخالفین کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے اور اپنے نظریات مسلط کرنے کے لیے عسکریت پسندی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ بڑی بے دادی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ مساجد، مزارات، عوامی اور حکومتی دفاتر، میلادِ مصطفیٰ ﷺ کے جلوسوں پر فائرنگ اور خود کش حملے اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ان تمام کارروائیوں میں اسلام اور پاکستان کے دشمن شامل ہیں، جنہوں نے مذہبی لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔

ان تنظیموں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ ان عناصر کی ذریات ہیں، جنہوں نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی۔ ان کے اکابرین نے پاکستان کے وجود کو قبول نہیں کیا۔ ان مذہبی دہشت گرد تنظیموں نے آج تک نہ پاکستان کی کوئی خدمت کی اور نہ ہی اسلام کی۔ ان کی بڑھتی ہوئی دہشت گردی کے پیشِ حکومت پاکستان نے ان ۴۰ مذہبی تنظیموں پر پابندی عائد کی جن میں لشکر جھنگوی، مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن گلگت، انجمن امامیہ گلگت، رابطہ ٹرسٹ الحرمین فاؤنڈیشن، اہلِ سنّت والجماعت (دیوبندی)، بلوچستان، مشائخ دفاع تنظیم، تحریک طالبان پاکستان، حامی نامدار گروپ، انصار الاسلام، لشکر اسلام، اسلامی اسٹوڈنٹ موومنٹ، خیر الناس ٹرسٹ، حزب التحریر، جمعیت الفرقان، جمعیت الانصار، اسلامی تحریک پاکستان خدام الاسلام، ملت اسلامیہ پاکستان القاعدہ، تحریک اسلامی، تحریک نفاذ شریعت محمدی، تحریک جعفریہ پاکستان، سپاہ صحابہ، لشکر طیبہ، جیش محمد، سپاہ محمد، جماعت الدعوۃ، الاختر ٹرسٹ اور الرشید ٹرسٹ شامل ہیں۔

یہ تمام دہشت گرد تنظیمیں پاکستان کے اقلیتی فرقوں کے زیرِ سایہ اپنی پاکستان دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ ایک مخصوص اقلیتی فرقہ دہشت گردی کے رور پر اپنے کمزور نظریات مسلط کرنا چاہتا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ان تنظیموں پر پابندی کے باوجود اچھی خاصی تعداد اپنے نام کے ساتھ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر آکر بیانات دیتے ہیں۔ ان دہشت گرد تنظیموں کے سربراہوں کو ٹی وی پر بلا کر طویل انٹرویو کیے جاتے ہیں۔ حکومت ان کے سامنے بے بس دکھائی دیتی ہے۔ ان کالعدم تنظیموں نے اپنے دفاع کے لیے دفاع کونسل بنائی، جو حقیقت میں انہدامِ پاکستان کونسل ہے، لیکن اس میں چند نادان دوست بھی شامل ہیں، جنہیں جلسوں میں تقریر کرنے کے صرف شوق نے مجبور کیا ہے۔

ان پر صرف پابندی لگانے سے پاکستان کا امن و سکون بحال نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسے ممالک اور افراد کا سراغ لگایا جائے جو انہیں اسلحہ اور فنڈ فراہم کرتے ہیں۔ جب تک وہ ممالک ان کی مدد کرتے رہیں گے پاکستان میں دہشت گردی کا خاتمہ ممکن نہیں۔ حکومتی اداروں کے پاس کئی ممالک کے ثبوت موجود ہیں، لیکن ان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ کسی ایسے اسلامی یا غیر اسلامی ملک کا نام لے کر ان کی کمک کا خاتمہ کر سکیں۔ مذہبی تنظیموں کی جو اسلامی اور غیر اسلامی ممالک پشت پناہی کر رہے ان سے سخت احتجاج نہیں کیا جاتا۔ دوسری طرف جب دہشت گرد گرفتار ہوتے ہیں، نامکمل شہادتوں کی بنا پر رہا ہو جاتے ہیں۔ صرف اس امر کی ان مذہبی دہشت گردوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے ضروری قوانین بنائے جائیں۔

⌘ ⌘ ⌘ ⌘ ⌘

امام احمد رضا اور طبّ و حکمت

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (بریلی، انڈیا)

عصرِ حاضر میں طبّ و حکمت تیزی سے مائل بہ زوال ہے۔ اطبا و حکما خال خال ہی نظر آتے ہیں اور عالم یہ ہے کہ طبیّ کالجوں میں بھی ایلوپیتھک یا انگریزی طریقۂ علاج نے اپنا عمل دخل بنالیا ہے۔ ان طبیّ کالجوں کے فارغین خود کو حکیم کہنے میں ہتک محسوس کرتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب طبّ و حکمت کی دھوم تھی۔ طبابت کا پیشہ بہت ہی معزز سمجھا جاتا تھا اور اطبا یا حکما اس پیشے کو خدمت خلق کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے اور اس پیشے کو اختیار کرنے کا ان کا مقصد محض دولت کا حصول نہیں تھا۔ علمائے کرام میں بھی اکثر طبیب ہوا کرتے تھے اور علم دین کے ساتھ ساتھ وہ طبّ و حکمت کا فن بھی حاصل کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا تعلق طب سے رہا ہے؟ ان کی سوانح سے یہ تو صاف ظاہر ہے کہ نہ تو انہوں نے طب و حکمت کی تعلیم حاصل کی تھی اور نہ ہی انہوں نے اپنے علوم و فنون میں اس کا کہیں تذکرہ کیا ہے۔ البتہ ان کی تصانیف اور مکاتیب کے مطالعے سے اس فن میں ان کی وسیع طبی معلومات کا پتا ضرور چلتا ہے۔

مولانا عبدالعزیز صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے طبابت کی مشکلات اور اس کی باریکیوں، طبیب کے فرائض، امراض کی تشخیص اور مریضوں کی نفسیات سے متعلق انہیں جو ہدایات فرمائی ہیں، ان سے طبّ و حکمت کے فن میں آپ کی وسعتِ معلومات بلکہ ایک طرح سے اس فن میں بھی آپ کی مہارت کا پتا چلتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: "جانِ برادر! مشکل ترین امور ہنگام استخراج احکام جزئیہ ہیں جیسے فقہ و طب۔ جس طرح فقہ میں صدہا حوادثات ایسے پیش آتے ہیں جن کا جزئیہ کتب میں نہیں اور ان پر حکم لگانا ایک سخت دشوار گزار پہاڑ کا عبور کرنا ہے، جس میں بڑے بڑے ٹھوکریں کھاتے ہیں؛ بعینہٖ یہی حال طب کا ہے بلکہ اس سے بھی نازک تر، بالکل بے دیکھی چیزوں پر حکم کرنا ہے، پھر اگر آدمی قابلیت نامہ نہیں رکھتا اور برائے خود کچھ کر بیٹھا اگرچہ اتفاق سے ٹھیک ہی اتری گنہگار ہوگا۔ جس طرح تفسیر قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا: من قال فی القرآن برائه فاصاب فقد اخطاء۔ جو قرآن میں اپنی رائے سے کہے اور ٹھیک ہی کہے جب بھی خطا ہے۔ یوں ہی حدیث شریف میں فرمایا: جو علاج کرنے بیٹھا اور اس کا طبیب نہ ہونا معلوم ہوا اس پر تاوان ہے یعنی اس کے علاج سے کوئی بگڑ جائے گا تو اس کا خون بہا اس کی گردن پر ہوگا اگرچہ تمہارے استاد شفیق نے تمہیں مجاز و ماذون کر دیا مگر میری رائے میں تم ہرگز ہرگز ہنوز مستقل تنہا گوارا نہ کرو اور جب تک ممکن ہو مطب استاذ کا دیکھتے اور اصلاح لیتے رہو۔ میں نہیں کہتا کہ جداگانہ معالجہ کے لیے نہ بیٹھو مگر اپنی رائے کو ہرگز رائے نہ سمجھو اور ذرا سی بات میں بھی اساتذہ سے استعانت لو۔

۲۔ رائے لینے میں کسی چھوٹے بڑے سے عار نہ کرو۔ کوئی عالم کامل نہیں ہوتا جب تک آدمی بعد فراغِ درس اپنے آپ کو جاہل نہ جانے۔ جس دن اپنے آپ کو عالم مستقل جانا اسی دن اس سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں!

۳۔ کبھی محض تجربے پر بے تشخیص حادثہ خاصہ پر اعتماد نہ کرو۔ اختلافِ فصل، اختلافِ بلا، اختلافِ عمر، اختلافِ مزاج وغیرہا بہت باتوں سے علاج مختلف ہو جاتا ہے۔ ایک نسخہ ایک مریض کے لیے ایک فصل میں صدہا بار مجرب ہو چکا، کچھ ضروری نہیں کہ دوسری فصل میں بھی کام دے بلکہ ممکن ہے کہ ضرر پہنچائے وعلیٰ ھٰذا اختلاف البلاد والاعمار والامزجہ وغیرھا۔

۴۔ مرض کبھی مرکب ہوتا ہے ممکن کہ ایک نسخہ ایک مرض کے لیے تم نے فصول مختلفہ بلادِ متعددہ و اعمار متفاوتہ و امزجۂ متباینہ میں تجزیہ کیا اور ہمیشہ ٹھیک اترا مگر وہ مرض ساذج تھا یا کسی ایسے مریض کے ساتھ جسے یہ مضر نہ تھا۔ اب جس شخص کو دیر سے ہو اس میں ایسے مرض سے مرکب ہو جس کے خلاف تو ضرر دے گا اور وہ تجربہ صد سالہ لغو ہو جائے گا۔

اعلیٰ حضرت آگے مزید سات نکات اور بیان کرتے ہیں: بخوف طوالت ملخصاً پیش کیے جا رہے ہیں، لکھتے ہیں:

۵۔ نبض، قارورہ وغیرہ تمام طرق تشخیص کو عمل میں لاؤ اور ہر وقت

اپنے علم و فہم و حول و قوت سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں التجا کرو کہ القائے حق فرمائے۔ یہی جالب شفا ہوتے ہیں۔

۶۔ ہلکے سے ہلکے مرض کو آسان سمجھ کر تشخیص و معالجہ میں سہل انگاری نہ کرو۔۔۔

۷۔ صرف مریض یا اس کے تیار دار کے بتائے ہوئے حال پر قناعت نہ کرو اور بے تشخیص مرض کا فیصلہ نہ کرو۔

۸۔ دوا کی تمام تراکیب، طریقہ اصلاح و استعمال خوب سمجھا کر ہر مریض سے بیان کرو۔

۹۔ طبیب پر اہم واجبات سے ہے کہ نیک خلق ہو، شیریں زبان، متواضع اور حکیم مہربان ہو۔ طبیب کی مہربانی و شیریں زبانی مریض کا آدھا مرض کھو دیتی ہے۔۔۔ نیک نیتی سے خدا بھی راضی ہوتا ہے جو خاص جالب دست شفا ہے۔

۱۰۔ مرض معمولی ہو یا دشوار، مریض کو ہمیشہ بکشادہ پیشانی تسکین و تسلی دی جائے کہ کوئی بات نہیں ان شاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے۔

۱۱۔ علاج بعد تشخیص ہونا چاہیے نہ کہ تشخیص بعد علاج!۔۔۔

(مکتوب بنام مولانا عبدالعزیز بجنوری۔ خطوط رضا مرتبہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، مطبوعہ بریلی، ص ۳۲ تا ۳۵)

طبیب کے لیے طبی بصیرت لازمی ہے

طبی بصیرت کے بغیر کوئی شخص ماہر فن طب و حکمت نہیں تسلیم کیا جاسکتا ہے اور طبی بصیرت سے مراد ہے علم طب میں کام لیے جانے والے سائنسی علوم مثل طبیعیات، کیمیا، ارضیات، حیاتیات اور نباتات وغیرہ سے طبیب کو آگاہی ہو کیونکہ مرض کی تشخیص سے لے کر دوا سازی اور دواؤں کی تجویز (مریض کی جسمانی ساخت اور مزاج کے اعتبار سے) نیز ان کے ایسے اثرات کہ جس سے مریض کو جلد اور پوری طور سے شفا و صحت ہو۔

جہاں تک امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی طبی بصیرت یعنی مذکورہ بالا سائنسی علوم سے آپ کی واقفیت یا آگاہی کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ آپ کو ان علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل میں تیمّم کے مسائل بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا نے جنس ارضی کی جو تحقیق فرمائی ہے اس سے علم کیمیا اور ارضیات کی برانچ حجریات میں آپ کی مہارت بلکہ محققانہ مقام و مرتبہ کا پتا چلتا ہے۔ اسی تعلق سے امام احمد رضا کی طبی بصیرت کو اجاگر کرتے ہوئے حکیم محمد سعید دہلوی جیسے طبیب کامل لکھتے ہیں: "فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے اس لیے ان کے فتاوے میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً علم کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقتِ نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اس تحقیقی اسلوب و معیار دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔" (مضمون، امام احمد رضا کی طبی بصیرت مشمولہ معارف رضا، کراچی، شمارہ نہم، ۱۹۸۹ء، ص ۱۰۰)

جذام اور طاعون متعدی امراض نہیں

امام احمد رضا کے نزدیک جذام متعدی مرض نہیں ہے اور نہ ہی طاعون۔

امام احمد رضا سے عرض کیا گیا: "بعض مرض متعدی ہوتے ہیں؟"

جواب دیا: "نہیں! حدیث میں ارشاد ہوا: لاعدویٰ۔

عرض: پھر جذامی سے بھاگنے کا کیوں حکم دیا گیا؟

ارشاد: وہ حکم ضعف الایمان کے واسطے ہے کہ اگر وہ اس کے پاس بیٹھے اور تقدیر الٰہی سے کچھ ہو جائے تو شیطان بہکا دے گا کہ یہ اس کے پاس بیٹھنے سے ہو گیا؛ گر نہ بیٹھتا تو نہ ہوتا تقدیر الٰہی کو بھول جائے گا۔

پھر امام سے عرض کیا گیا: "پھر طاعون سے بھاگنے کی ممانعت کیوں؟

جواب دیا: "اس کے لیے حدیث میں صاف ارشاد ہے: الفار من الطاعون کالفار من الزحف۔ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہی ہے جیسا جہاد میں کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا۔ اس پر بھی یہی ارشاد ہوا کہ جہاں طاعون ہو وہاں بلا ضرورت نہ جاؤ۔ (الملفوظ مرتبہ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، ص ۲۷۷، مطبوعہ دہلی)

عام طور سے حکما اور ڈاکٹر صاحبان تو سب کے سب جذام اور طاعون کو متعدی امراض مانتے ہیں، لیکن امام احمد رضا نے احادیث کریمہ سے دلیل دی کہ یہ امراض متعدی نہیں ہیں۔ احادیث کا علم

اور سرکار ﷺ کا ہر فرمان اٹل ہے اور طبابت و میڈیکل سائنس کے علوم و نظریات تجرباتی مراحل سے گزرتے رہتے ہیں یعنی خطا و اقدام کے مراحل سے۔ امام احمد رضا نے ہر علم کے اصول و نظریہ کو قرآن و سنت ہی کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور آپ کو انہیں کی بدولت طبی و سائنسی و دیگر علوم کی بصیرت حاصل ہوئی ہے۔

منہ کی گلٹیں کالی مرچ سے اچھی ہو گئیں

کسی وجہ سے امام احمد رضا کے منہ میں گلٹیں نکل آئی تھیں۔ طبیب نے بتایا کہ طاعون ہے، لیکن آپ نے سرکار ﷺ کی بتائی ہوئی دعا پڑھ لی تھی لہٰذا یقین کامل تھا کہ طاعون کا مرض آپ کو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے گول مرچ کو مسواک پر رکھ کر مسواک کیا تو ایک کُلی خون کی آئی مگر تکلیف نہ ہوئی۔ بعدہ دوسری کلی خون کی آئی اور گلٹیں جاتی رہیں اور آپ کا منہ کُھل گیا۔ گول مرچ سے مسواک کرنے کا امام احمد رضا کو غیبی اشارہ ہوا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک طبی نسخہ بن گیا اور اسے "نسخہ رضویہ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ (ایضاً، حصّۂ اوّل، ص۴۹)

امام احمد رضا بہت سے امراض کی باریکیوں سے واقف تھے اور انہیں یہ واقفیت حدیثِ پاک کے علم کی بدولت ہوئی تھی۔ ارشاد فرماتے ہیں: حضور ﷺ سے حدیث ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ رکھو۔ (۱) زکام کہ اس کی وجہ سے دماغ کی بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ (۲) کھجلی کہ اس سے امراض جلد یہ جذام وغیرہ کا انسداد ہو جاتا ہے۔ (۳) آشوبِ چشم نابینائی کو دفع کرتا ہے۔ (ایضاً حصّۂ اوّل، ص۴۷)

نسخہ سازی

امام احمد رضا کے مریدین و معتقدین اپنی بیماریوں میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ صرف ان کے مکتوبات میں ان کے لکھے ہوئے حالات کو مد نظر رکھ کر انہیں نسخہ لکھ کر ارسال فرماتے تھے۔ مولوی عرفان علی صاحب بیسل پوری رحمۃ اللہ علیہ کو حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے ان کے خط میں لکھے ہوئے حالات اور بیماری کے مدّ نظر دو نسخے ارسال فرمائے:

۱۔ نسخہ حَبِّ جواہر۔۔۔ برائے مقویِ روح و مقویِ قلب

یاقوت رمانی۔ ۳ مثقال، عقیق یمنی۔ ایک مثقال، یشف سفید۔ یک نیم مثقال، زہر مہرہ مثقال۔ ۲ مثقال، ورق طلا۔ ایک مثقال۔ درگلاب سرمہ سائدہ جب برابر نخود دانہ خوراک یک ماشہ حب۔ (ایک مثقال ساڑھے چار ماشے ہوتا ہے)

۲۔ نسخہ قہوۂ مقوی معدہ و جگر و دماغ و مشتہی

پودینہ خشک۔ ۵ ماشہ، دار چینی۔ (۱/۲) ۱ ر ماشہ، قرنفل۔ ۵ عدد، الائچی سفید جو کوب۔ ۲ ماشہ، انیسون۔ ۳ماشہ، گاؤزبان گیلانی۔ ۳ماشہ، بادر نجبویہ۔ ۳ماشہ، مویز منقیٰ۔ ۱۰ دانہ، عود غرقی۔ ۳سرخ، نبات سفید۔ ۲ تولہ، مشک۔ ۲برنج، گلاب عمدہ۔ ۳تولہ، مجموعہ ایک خوراک ہے۔ چائے کی طرح روزانہ پئیں۔ حسب مزاج ان دواؤں میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ (مکتوب بنام مولوی عرفان علی بیسلپوری مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت)

علم الابدان

ایکسرے مشین (X-Ray machine) کے موجد جرمن سائنس دان کو اس کی ایجاد پر ۱۹۰۱ء میں نوبل پرائز دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے یہ ایجاد تھی۔ اب اس میں مزید اصلاح کے بعد الٹرا ساؤنڈ (Ultrasound) کا طریقہ اپنایا جانے لگا ہے اور پھر یہ دعویٰ کیا جانے لگا ہے کہ اس کے ذریعہ جینز کے ساتھ جنس ابھرنے کے بعد اس کی جنسی نوع کا پتا چل جاتا ہے یعنی چار ماہی حمل کی ذکورت و اناثت کا پتا چل جاتا ہے۔ پادریوں نے اس آلے کی وجہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کے قرآن میں ہے کہ پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذکور ہے یا اناث، لیکن ہم نے ایک ایسا آلہ نکالا ہے جس سے پورا حال معلوم ہو جاتا ہے اور یہ پتا چل جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس مسئلے کو لے کر مولانا عبد الوحید صاحب فردوسی عظیم آبادی نے امام احمد رضا سے استفتا کیا تو جواب میں امام احمد رضا نے ایک معرکۂ آرا رسالہ بنام "الصمصام علی مشکک فی آیت علوم الارحام" (۱۸۹۵ء / ۱۳۱۴ھ) لکھا۔

زیرِ نظر رسالے میں امام احمد رضا نے فقہ، تفسیر، حدیث، علم کلام و دیگر دینی علوم فنون کے علاوہ علم طبیعیات، ہیئت و نجوم اور علم الحیوانات نیز میڈیکل سائنس وغیرہ میں اپنی مہارت کا زبردست مظاہرہ فرمایا ہے۔ امام احمد رضا نے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ آیاتِ قرآنی میں جس علم کو اللہ عزوجل سے خاص بتایا گیا ہے وہ کسی مخلوق کے لیے ممکن نہیں پھر انسانی علم کی حقیقت بیان کرکے اس آلے سے ثابت ہونے والے علم کی کیفیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ علم باری تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا آلے سے یا خود انسان کو جو علم

حاصل ہوتا ہے اس کو خاص واجب سے اختصاص نہیں اور جو واجب کے ساتھ خاص ہے وہ انسان اور آلے کے لیے ثابت ہونا ممکن نہیں، لہٰذا قرآنی آیت بے غبار، قرآن کا اعلان برقرار اور یہ شبہات بے اعتبار!

اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اس آلے کی بابت گفتگو فرماتے ہیں: "اب اس آلہ محدثہ کی طرف چلیے۔ فقیر اس پر مطلع نہ ہوا نہ کسی سے اس کا حال سنا۔ ظاہر ایسی صورت نہیں کہ جن میں بحال وفی ظلمات ثلاث، تین اندھیریوں میں رہے اور بذریعہ آلہ مشہود ہو جائے اور اس کا جسم بالتفصیل آنکھوں سے نظر آجائے کہ بعد میں علوق فم رحم سخت منضم ہو جاتا ہے جس میں میل سرمہ بدقت جائے، اور اس جائے تنگ و تار میں جنین محبوس ہو جاتا ہے وہ بھی یوں نہیں بلکہ اس پر تین اور غلاف چڑھے ہوتے ہیں، ایک غطائے رقیق ملاقی جسم مبین جس میں اس کا فضلۂ عرق جمع ہوتا ہے اس پر ایک اور حجاب اس سے کثیف تر مسمّٰی بہ غشائے لفافی جس میں فضلۂ بول مجتمع رہتا ہے اس پر ایک اور غلاف اکثف کہ سب کو محیط ہے جسے شیمہ کہتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے تو ظاہراً آلے کا محصّل صرف بعض علامات وامارات ممیّزہ مجملۂ خواص خارجیہ کا بتانا ہوگا جن سے ذکورت واناثت کا قیاس ہو سکے۔ جیسے رحم کی تجویف ایمن یا ایسر میں حمل کا ہونا یا اور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کیے گئے ہوں اگر اسی قدر ہے جب تو کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی مجربین قیاسات فارقہ رکھتے تھے جیسے دہنی یا بائیں طرف جنین کی پیشتر جنبش یا حاملہ کی پستان راست یا چپ کے حجم میں افزایش یا سرہائے پستان میں سرخی یا ادواہٹ آنا یا رنگ روئے زن پر شادابی یا تیرگی چھانا یا حرکات زن میں خفت یا ثقل پانا، قارورے میں اکثر اوقات حمرت یا بیاض غالب رہنی یا عورت کے خلافعادت بعض اطعمۂ جیدہ یا ردیہ کی رغبت ہوتی یا شم کبود میں زراوند مدقوق بعسل سرشتہ کا صبح علی اریق حمول اور ظہر تک مثل صائم رہ کر مزۂ دہن کا امتحان کہ شیریں ہوا یا تلخ الی غیر ذلك مما یعرفه اهل الفن ولکل شروط برا عیها البصیر فیصیب الظن۔

(الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام)

مندرجہ بالا عبارت سے امام احمد رضا کی علم الابدان اور مخصوص طبی نویسی کی اصلاح سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ماہر طبیب بھی تھے یا آج کی اصطلاح میں کہیں تو وہ ایک ماہر فزیشن (Physician) اور ماہر سرجن (Surgeon) تھے۔ امام احمد رضا نے جہاں یہ بتایا ہے کہ قیاسات کے تجربہ کار (وہ دائیاں ہوں یا اطباء وغیرہ) وہ حاملہ عورت کی جسمانی تبدیلی، قارورہ کی رنگت اور چہرے کی شادابی و تیرگی وغیرہ سے یہ قیاس ضرور لگا لیتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے؟ لڑکا یا لڑکی! علاوہ اس کے خود ایک طبی عمل بھی بتاتے ہیں کہ اس سے بھی ذکورت یا اناثت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے: "چشم کبود میں زاراوند قوق بعسل سرشتہ کا صبح علی الریق حمول اور ظہر تک مثل صائم رہ کر مزہ دہن کا امتحان کہ شیریں ہو یا تلخ۔"

اب آگے امام احمد رضا جنین کے مشاہدے کے قیاسات اور مخصوص طبی عمل وغیرہ کے بعد اس آلے کے قیاس اور اس کی بناوٹ کے اعتبار سے اس طرح فرماتے ہیں: "اور عجائب صنع الٰہی جلت حکمتہ سے یہ بھی متحمل کہ کچھ ایسی تدابیر القا فرمائی ہوں کہ جن سے جنین مشاہدہ ہو جاتا ہو مثلاً بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں میں بقدر حاجت کچھ توسیع و تفریح و دیگر روشنی پہنچا کر شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باہم تادیۂ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں یا زجاجات متخالفۃ الملاء میں ایسی وضعیں پائیں کہ اشعۂ بصریہ کو حسب قاعدہ معروضہ علم مناظر، انعطاف دیتے ہوئے جنین تک لے جائیں۔"

(الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام)

مندرجہ بالا عبارت علم طبیعیات کی برانچ روشنی یا نور (Optics یا Light) میں مہارت کا بھی پتا دیتی ہے۔ امام احمد رضا نے واضح کر دیا ہے کہ مشینی طریقے سے اگر جنین مشاہدہ ہی ہو جاتا ہے تو معاذ اللہ اس سے اللہ تعالیٰ کے علم حقیقی و ذاتی پر حرف نہیں آتا۔ امام احمد رضا نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس آلے میں اصل کام علم طبیعیات کے علم المناظر والمرایا سے لیا گیا ہے اور اس کا فیصلہ یقینی بدیہی نہیں۔ الٹرا ساؤنڈ سے چند علامات ایسی ظاہر ہوتی ہیں کہ جن سے ذکورت یا اناثت کا قیاس لگا لیتے ہیں۔ ہندوستانی کورٹ نے الٹرا ساؤنڈ سے جنین کی جانچ پر پابندی لگا دی ہے اور سزا بھی مقرر کر دی ہے۔ اس آلے کی تشخیصات کو اس فن کے ماہرین تقریبی تشخیص قرار دیتے ہیں، یقینی اور حتمی نہیں مانتے۔

عرض مدعا یہ کہ امام احمد رضا طبّ وحکمت کی تمام باریکیوں سے خوب واقف تھے اور وہ زبردست طبی اور سائنسی بصیرت کے مالک تھے۔

خرید و فروخت کے فاسد معاملات اور امام احمد رضا کی تحقیق

صبا نور (ایم فل، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، پاکستان)

خلاصہ: لین دین، چیزوں کے تبادلے، خرید و فروخت کے معاملات کے بغیر انسانی زندگی کی بقا کا تصور بھی ممکن نہیں۔ ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے، لیکن جب تک ان تمام معاملات کو کسی اصول وضوابط وشرائط، کے تحت قائم نہ کیا جائے تو معاشرے میں ظلم، انتشار، جھگڑے فسادات کے خطرات ہر وقت منڈلاتے رہیں۔ لہٰذا دین اسلام نے ان تمام صورتوں کو سامنے رکھ کر اس میں بھی انسانوں کی راہنمائی کی تاکہ یہ معاملات احسن طریقے سے اور اسلامی قانون کے مطابق قائم ہوں۔ امام احمد رضا کی خرید و فروخت کے معاملات پر تحقیق منفرد اور جامعیت کی خوبی سے مزین ہے اور وہ تمام صورتیں جو کہ عقد بیع کو فاسد کرتی ہیں اور جن سے پورا معاملہ ہی توڑنا عاقدین پر واجب ہو جاتا ہے، تمام صورتوں کو بیان کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عہدِ حاضر میں بھی ان کی تحقیقات سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ (صبا)

تعارف

مختلف معاملات کو کچھ خاص اصولوں اور شرائط کے مطابق ازروئے شرع طے کرنا مسلم معاشرے کا تقاضا ہے، یہ اصول و قوائد و شرائط، حدود متعین و مخصوص ہیں۔ یہ تمام اصول و شرائط اس لیے ترتیب دیے جاتے ہیں تاکہ فریقین کے مابین یہ معاملات بغیر کسی جھگڑوں اور فساد کے قائم ہوں۔ ان کو حلال اور جائز بنانے کے لیے شریعت اسلامی کی پیروی ضروری ہے، لیکن کچھ شرائط ایسی ہوتیں ہیں جو کہ اسلامی قانون کے مطابق نہیں ہوتیں بلکہ عاقدین محض اپنے فائدے کے لیے نیز کاروبار میں منافع کی غرض سے ایک دوسرے پر عائد کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان فضول شرائط کا ایک فریق کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان ہوتا ہے اور انھیں فاسد شرائط کے ساتھ سودے کا حتمی ہونا منسلک کر دیا جاتا ہے۔ ایسی تمام فاسد شرائط سے پورا معاملہ ہی فاسد ہو جاتا ہے۔ عاقدین پر لازم ہے کہ وہ ان کو ختم کر کے معاملے کو از سرِ نو قائم کریں تاکہ اس میں موجود فساد سے بچا جا سکے۔

طریقۂ کار

خرید و فروخت کے معاملات جن فاسد شرائط کی وجہ سے باطل ہو جاتے ہیں ان کے بارے میں جو تفصیلات ہیں اس مقالے میں ان کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امام احمد رضا نے اس سے متعلق بہت محققانہ انداز میں بحث کی ہے، جس میں انفرادیت کی واضح جھلک موجود ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں بیع فاسد سے متعلق معلومات موجود ہیں نیز ان کا خلاصہ، تحقیق نتائج عملی اطلاق مآخذ و مراجع آخر میں درج کر دیے گئے ہیں۔

تحدید

جب کسی عقد کو فاسد شرائط کا پابند بنا دیا جاتا ہے جو کہ عاقدین کے مابین فساد کا موجب بن سکیں امام احمد رضا نے ان فاسد شرائط پر تفصیلاً بحث کی ہے جو کہ امت مسلمہ کے لیے ایک نادر ذخیرے کی حیثیت رکھتی ہیں اور انھیں نادر اور منفرد تحقیقات سے راہنمائی لے کر ایسے تمام معاملات کو جائز حدود میں رہ کر قائم کیا جا سکتا ہے۔ پیشِ نظر مقالے میں بیع فاسد سے متعلق تحقیقات کو بیان کیا گیا ہے۔

اِعتذار

عقدِ بیع کے ناجائز اور حرام ہونے کی جتنی بھی صورتیں ہیں امام احمد رضا نے ان تمام پر مفصلانہ انداز میں بحث کی ہے جو "العطایہ النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" اورآپ کی دیگر دوسری تصانیف میں موجود ہے۔ اس مقالے میں آپ کی ان تحقیقات سے استفادہ کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ عقد کے ناجائز ہونے سے متعلق یعنی بیع باطل کا تذکرہ "بیع باطل کی بحث اور امام احمد رضا کی تحقیقات" کے عنوان سے ہم اپنے گزشتہ مقالے (مطبوعہ ماہنامہ معارفِ رضا، مئی ۲۰۱۲ء) میں پیش کر چکے ہیں۔ پیش نظر مقالے میں بیع فاسد کے موضوع پر امام احمد رضا کی تحقیقات کو پیش کیا گیا ہے۔

مقاصد تحقیق

اس مقالے کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شرع اسلامی کے اندر جو بھی شرائط، حدود متعین و مخصوص کی گئیں ہیں جو کہ اس عقد کو درست طریقے سے قائم کرنے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اس کے علاوہ کچھ حدود اور پابندیاں جو کہ عقد کرنے

والے فریقین محض ایک دوسرے پر لگادیتے ہیں ایسی تمام شرائط فاسد ہیں امام احمد رضا نے ان فاسد شرائط کو فتاویٰ رضویہ میں بیان کیا ہے۔اس مقالے کا مقصد ان فاسد شرائط کو بیان کرکے امام احمد رضا کی تحقیق کو سامنے لانا ہے۔

(۲) فاسد شرائط پورے معاملے کو باطل کردیتی ہیں۔اس فساد کو ختم کرنا عاقدین کی ذمّے داری ہے۔ بلکہ باہمی رضامندی سے معاملے کو دوبارہ نئے انداز سے قائم کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس فساد کو ختم کرنا دونوں فریقین پر لازم ہے؛ لہٰذا ان سے متعلق عوام الناس کو آگاہ کرنا بھی اس مقالے کا مقصد ہے۔

معاشیات اور خرید و فروخت کے معاملات

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق راہنمائی فراہم کرنا اسلام کا ہی طرۂ امتیاز ہے۔ انہی پہلوؤں میں سے ایک پہلو انسان کے معاش کا ہے۔ قرآن نے انسانوں کے ذہن سے اس باطل تصور کی بیخ کنی کی کہ مذہب اور معاش کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔

قرآنِ کریم بڑے بلیغ انداز میں معیشت کی اہمیت بیان کرتا ہے: فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَ اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ [1] ترجمہ: جب نماز ختم ہوجائے تو تم پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر معاش کو فضل اللہ کہا ہے۔ اس سے انسان کے ذہن میں یہ تصور بھی قائم رہتا ہے کہ معاشی معاملات میں بھی انسان کو خداتعالیٰ کی قائم کردہ حدود کا پابند رہنا چاہیے، جس طرح باقی تمام زندگی میں۔

معاش کے شعبے میں ایک اہم معاملہ خرید و فروخت کا ہے اس میں انسانوں کا آپس میں لین دین ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے ان کے مابین عدل و انصاف اور امن و سکون سے معاملات کو طے کرنے کے لیے کچھ حدود مقرر کردیں تاکہ انسانوں کے مابین کسی قسم کے جھگڑے فساد اور ظلم کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس معاملے میں مال کا مال سے تبادلہ ہوتا ہے اور قیمت کے عوض ضرورت کی شے دوسرے سے خریدی جاتی ہے جس میں ایک فریق مال کا اور دوسرا قیمت کا مالک ہوجاتا ہے۔ خرید و فروخت کے معاملات کی ایسی تمام صورتیں جو باطل و فاسد ہیں اسلام نے ان کی واضح نشاندہی کی ہے۔ علما اور فقہا کرام نے ان پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔

بیع (خرید و فروخت) کے ارکان دونوں فریقین کا آپس میں ایجاب اور قبول ہے۔ ایک ایجاب اور دوسرا قبول کرتا ہے۔ ان میں کوئی خرابی موجود ہو جیسے یہ دونوں فریقین میں سے ایک نابالغ اور مجنون ہو تو اس کا کیا ہوا عقد (معاملہ) قابلِ قبول نہیں، لہٰذا ان میں خرابی ہو یا فروخت کی جانے والی شے شرعاً مال نہ ہو جیسے مردار، خون، شراب ان کی بیع منعقد نہیں ہوتی، لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ بیع کے ارکان میں خرابی ہو یا وہ مال ہی قابل بیع نہ ہوا تو یہ معاملہ باطل ہوگا۔

ناجائز بیع کی دوسری صورت یہ ہے کہ عقد کے ارکان میں تو کوئی خرابی موجود نہ ہو اور ارکان ایجاب و قبول اور مال وغیرہ سب درست ہوں لیکن ان کے علاوہ کوئی اور خرابی موجود ہو جیسے عقد کرنے والے کوئی ایسی شرط کے تحت عقد قائم کرلیں جس کا تقاضا عقد نہیں کرتا جو اس عقد بیع کے ہی خلاف ہو، جیسے جانور کو اس شرط پر بیچا کہ مشتری (خریدنے والا) اس کی بیع نہ کرے ایسے ہی درخت کو بیچا اور مشتری کے ساتھ یہ شرط لگادی کہ تم اس کو زمین میں باقی رکھوگے کاٹو کے نہیں تو یہ بیع فاسد ہوگی! کیونکہ بیع میں کسی ایک کو شے کا مکمّل مالک کردینا ہوتا ہے اور یہاں اپنی ملک باقی رکھنے کی بات ہے۔ اسی طرح عقد بیع میں دونوں فریقین کا شے سے متعلق قیمت کا طے کرنا واجب ہے عقد طے کرتے وقت یہ شرط لگالیں کہ فی الحال کوئی قیمت مقرر نہیں کررہے وقت کے مطابق جو بھاؤ بازار میں ہے وہ دے دینا ایسی کرنا بیع فاسد ہے۔ پھل جب تک پھول پر باقی رہیں گے وہ اس قابل نہیں کہ توڑ کر انہیں فروخت کیا جائے اس وقت تک ان کی بیع ناجائز ہے۔ عاقدین اس شرط پر خریدیں کہ جب تک تیار نہیں ہوتے درختوں پر ہی لگے رہیں، لیکن پہلے سے ہی ان کی بیع کرلی، ایسا کرنا اور ایسی شرط فاسد ہے۔[2]

فاسد شرائط کی وجہ سے پورا معاملہ ہی باطل ہوجاتا ہے لہٰذا دونوں فریقین پر لازم ہے کہ وہ اس عقد میں موجود فساد کو ختم کرنے کے لیے اس عقد کو ختم کریں اور عقد نئے سرے سے قائم کریں۔

بیع میں شے کا ملک میں ہونا ضروری ہے پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا ہو، اس کی بیع جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر شکار کرکے چھوڑ دیا تو یہ بیع فاسد ہوگی کہ اس کو خریدار کے حوالے کرنے پر فروخت کرنے والے کو

قدرت نہیں۔ اگر وہ ایسا پرندہ ہے کہ ہوا میں اڑ رہا ہے، مگر خود بخود واپس آنے پر قادر ہے تو اگرچہ مالک کے پاس موجود نہیں لیکن بیع جائز ہوگی کہ حکماً اس کو خریدار کے حوالے کرنے پر قدرت ہے۔[۳]

بیع فاسد کا تذکرہ نبی کریم ﷺ کی احادیث میں بھی ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا اس کی یہ صورت ہے کہ یہ شے نقد اتنے کو یا یہ کہ میں نے یہ شے تمہارے ہاتھ اتنے میں بیع کی اس شرط پر کہ تم اپنی فلاں شے میرے ہاتھ اتنے میں بیچو۔"[۴] نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرض اور بیع حلال نہیں کہ یہ شے تمہارے ہاتھ بیچتا ہو اس شرط پر کہ تم مجھے قرض دو یا یہ کہ کسی کو قرض دے پھر اس کے ہاتھ زیادہ داموں میں شے بیع کرے اور عقدِ بیع میں دو شرطیں حلال نہیں اور اُس شے کا نفع حلال نہیں جو ضمان میں نہ ہو اور جو شے تیرے پاس نہ ہو اس کا بیچنا حلال نہیں۔[۵] غرض ان احادیثِ مبارکہ سے ہمیں راہنمائی ملتی ہے کہ بیع کو حلال اور صحیح شرائط کے مطابق جو از روئے شرع متعین ہیں اس کے مطابق قائم کرنا چاہیے۔

امام احمد رضا نے خرید و فروخت سے متعلق جتنی بھی صورتیں ہیں ان سب کے بارے میں محققانہ انداز میں بحث کی ہے؛ نیز ان کی مختلف صورتیں جائز و ناجائز حلال و حرام غرض کہ منافع حاصل کرنے کی تمام صورتوں کو بیان کیا۔ آپ نے خرید و فروخت کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جو تحقیق کا متقاضی ہو لہٰذا اس باب میں ہر قسم کی تفصیل موجود ہے۔ اس مقالے میں آپ کی وہ تحقیق سامنے لائی گئی ہے جس کا تعلق بیع کے فاسد و ناجائز ہونے کی صورتوں سے ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ بیع کا ناجائز ہونا تین صورتوں پر مبنی ہوتا ہے: باطل، فاسد، مکروہ بیع باطل وہ معاملہ جو سرے سے ہی قائم نہیں ہوتا اس میں بیع کا کوئی رکن نہیں پایا جاتا جیسے بیع کا رکن ایجاب و قبول ہیں اس میں خلل (خرابی) ہو جیسے مجنون یا نابالغ کا کیا ہوا عقد، کیونکہ شرعاً مجنون یا پاگل فیصلے کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا ان کا کیا ہوا عقد قابل قبول نہ ہوگا دوسرا کہ جس شے کی بیع کی جا رہی ہو وہ اس قابل ہی نہ ہو کہ اس کا مال شمار کیا جائے جیسے مردار، خون، شراب وغیرہ کی بیع لہٰذا یہ بیع باطل ہوگی کیونکہ اس کے ارکان میں خرابی موجود ہے۔[۶]

بیع باطل کی تھوڑی سی تمہید کے بعد اب بیع فاسد کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔ فاسد بیع وہ ہے کہ اس میں مبیع (شے) اور قیمت دونوں درست ہوں جو کہ بیع باطل ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی خرابی ہو جیسے کوئی شرط عاقدین ایک دوسرے پر لگا دیں جو اس عقد کے خلاف ہو یا جن کا تقاضا عقد نہیں کرتا یہ شرائط عقد بیع کے خلاف ہوں ان کی وجہ سے عاقدین میں نزاع پیدا ہو جائے۔ ایسی تمام شرائط فاسد ہیں اور ان کی وجہ سے پورا عقد فاسد ہو جائے گا۔ یعنی رکن بیع یا محل بیع میں خرابی کے علاوہ کوئی دوسرا نقص موجود ہو تو وہ فاسد کہلائے گی۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں "بیع کا فاسد ہونا بھی کئی صورتوں پر مبنی ہے یعنی فاسد وہ ہے جس کی اصل حقیقت تو خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی کچھ باتیں یا چیزیں ایسی ہوں جو کہ اس عقد کو قائم کرنے کے لیے لازم نہیں۔ جیسے کوئی شرائط لگا دیں جو کہ فاسد ہوں، یا وہ شے جس کا سودا کیا جا رہا ہو وہ بیچنے والی کی ملک تو ہو مگر بوقت عقد اس کو اس شے پر قدرت حاصل نہ ہو۔"[۷]

فاسد شرائط جو کہ بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) بعض اوقات اپنے اپنے نفع کی غرض سے ایک دوسرے پر لگا دیتے ہیں اور عقد انہی شرائط کے تحت قائم ہوتا ہے۔ ان شرائط کی نفی میں یہ معاملہ بھی قائم نہ ہوگا۔ فاسد شرائط کو عقد کے لیے لازم قرار دے دینا سراسر جہالت ہے؛ بلکہ اس معاملے کو ختم کرنا دونوں عاقدین کی ذمّے داری ہوتی ہے۔ اگر وہ دوبارہ باہمی رضامندی سے اس عقد کو قائم کریں یعنی فاسد شرائط کو ختم کریں تو ایسا کرنا ان دونوں کے لیے درست ہوگا۔

معاملہ بیع دونوں عاقدین کی رضامندی کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتا بشرطیکہ وہ درست طریقے سے قائم کیا جائے فاسد شرائط کے بغیر فریقین کی باہمی رضامندی لازمی رکن ہے، لیکن اگر یہ عقد فاسد شرائط کے تحت طے پایا ہے، تو پھر اس فساد کو ختم کرنے کے لیے دونوں فریقین میں سے کوئی ایک بھی معاملہ ختم کر دے تو معاملہ ختم ہو جائے گا۔ اس کو دوسرے فریق کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہاں اس موقع پر شرع مطہرہ کا قاعدہ، کلیہ یہ ہے کہ فساد کو ختم کرنے کے لیے ایک فریق بھی فیصلہ کرے تو اس کا یہ عقد کو توڑنا درست ہے۔ لہٰذا فاسد بیع کو ختم کرنا عاقدین کی ذِمّے داری ہے،

لیکن اگر دونوں فریقین باہمی رضامندی سے اس فاسد عقد کو ختم نہ کریں تو حاکم یا قاضی پر یہ ذمّے داری ہے کہ زبردستی مداخلت کرکے ان کے مابین سے یہ عقد ختم کروائے۔[8]

جب عقد بیع کا معاملہ منعقد ہوتا ہے۔ دونوں فریقین یعنی بیچنے اور خریدنے والا سودے سے متعلق حتمی اور آخری فیصلہ کرلیتے ہیں۔ بائع (بیچنے والا) قیمت کا اور مشتری (خریدنے والا) شے کا مالک ہوجاتا ہے، لیکن اس تمام معاملے سے پہلے کوئی بھی فاسد شرط لگائی جو کہ بائع یا مشتری کی طرف سے ہو یعنی شرط پہلے لگائی اور معاملہ اسی شرط کے تحت انجام پزیر ہوا ہو حتّٰی کہ بیچنے والے نے قیمت اور خریدنے والے نے شے پر قبضہ بھی کرلیا ہو اس بارے میں امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ بیع صرف دستی طور پر لین دین سے منعقد نہیں ہوگی بلکہ یہ دستی لین دین کا تبادلہ پہلے سے موجود فاسد شرط کے سبب سے طے پایا لہٰذا بیع فاسد ہوگی۔[9]

دوسری صورت میں عقد بیع کا معاملہ درست طریقے سے قائم ہوا ہو یعنی اس میں کوئی ایسی شرط موجود نہ ہو جو اس عقد بیع کے خلاف ہو بعد میں کوئی فاسد شرط لگائی اس صورت میں یہ معاملہ درست ہوگا اور شرط کالعدم ہوگی۔[10]

بیع فاسد کا فسخ کرنا بیچنے اور خریدنے والے دونوں پر لازم ہے۔ ان دونوں فریقین میں سے کسی ایک کے مرنے سے یہ بیع زائل نہیں ہوگی جب تک وہ دونوں فریقین اس معاہدے کو ختم نہ کریں گناہ گار رہیں گے۔ بیع فاسد سے جو شے خریدی جائے بائع مشتری پر کوئی خلاف عقد شرط عائد کردے۔ بعد میں بائع کی رضامندی سے مشتری مطلوبہ شے پر قبضہ حاصل کرلے بلاشبہ وہ اس شے کا مالک ہو جائے گا۔[11] مگر وہ ملک خبیث ہوگی ملکیت کے بعد بھی دونوں کے لیے اس بیع کو وہ فسخ کرنے کا حق باقی رہے گا کہ وہ بائع کو شے واپس کردے مگر مشتری ایسا نہ کرے بلکہ مشتری اس شے پر قبضہ حاصل کرکے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ وہ شے فروخت کردے تو وہ بیع دوسرے کے حق میں درست ہوگی اگرچہ اس عمل سے مشتری گناہ گار ہوگا۔ مثال کے طور پر وہ شے کسی کو وقف (اپنی ملک سے نکال کر خالص خدا تعالیٰ کی ملک کردینا) کردے تو یہ وقف درست ہوجائے گا۔ صرف وقف کرنے والے کے ذِمّے اس فاسد عقد کو فسخ کرنے کا گناہ باقی رہے گا تو توبہ کے بعد زائل نہیں ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ اس عقد کو ختم کرکے وہ شے بیچنے والے یا اس کے ورثہ کو دے دی جاتی، لیکن یہ حق اسی صورت باقی رہے گا کہ جب تک مشتری نے مطلوبہ شے میں تعمیر وغیرہ یا کوئی اضافہ نہ کیا ہوا ہو ورنہ یہ فسخ کرنا ممکن نہ ہوگا۔[12]

لہٰذا بیع فاسد میں مشتری بائع کی مرضی سے مطلوبہ شے پر قبضہ کرے اُس شے کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے تو دوسرا جو کوئی اس شے کو خریدے اس کو یہ شے حلال ہوگی یعنی اس کے حق میں یہ بیع نافذ ہوجائے گی۔ مشتری اوّل اگرچہ گناہ گار رہے گا کہ اس نے ایک فاسد عقد کو فسخ نہیں کیا شروع میں۔[13]

بیع کا معاملہ منعقد کرتے وقت یہ لازمی ہے کہ جس شے کا سودا کیا جارہا ہو اس کا معین و مخصوص ہونا چاہیے یعنی بوقت عقد اُس شے کا دونوں فریقین کے مابین موجود ہونا اور مخصوص ہونا کہ اس فلاں شے کا سودا کیا جارہا ہے دونوں کو اس کا علم ہونا ضروری ہے جیسے شے کی مقدار زیادہ ہو تو بائع اشارے سے بتادے کہ فلاں فلاں شے لے۔ جس کا سودا کررہے ہو اگر معلوم نہ ہو مشتری کو کہ کونسی شے ہے تو بیع فاسد ہوگی اس طرح بہت سی زمینوں میں سے زمین کا کوئی حصّہ متعین نہ کیا ہو تو یہ درست بیع نہ ہوگی۔[14]

اس طرح قیمت کا طے ہونا بھی ضروری ہے دونوں میں سے ایک کو قیمت معلوم نہیں بلکہ بوقت عقد مجہول رکھی گئی تو یہ بیع بھی فاسد قرار پائے گی جیسے دو لوگ باہم یہ سودا طے کرتے ہیں کہ اس شے کی فی الوقت قیمت اتنی ہے اب دونوں میں یہ شرط لگالی کہ فلاں تاریخ تک اس میں جتنا اضافہ ہوگا یا وہ شے جس کی قیمت بازار یا منڈی کے اعتبار سے جو ہوگی وہ لوں گا جو اس وقت کا بھاؤ ہوگا تو یہ بیع حرام ہوئی کہ جس میں وقت کے مطابق مستقبل میں جو بھاؤ بازار میں ہوگا اس حساب سے قیمت وصول کرلوں گا تو یہ شرط فاسد ہے۔[15]

اسی طرح دونوں فریقین سودا طے کریں بیچنے والا خریدنے والے سے یہ کہہ دے کہ میں نے یہ شے تمہارے ہاتھ بیچی اب جو قیمت تم طے کرو وہ ہی لوں گا یعنی قیمت خریدنے والے کی رائے پر موقوف کردی جب خریدار اپنی مرضی سے قیمت مقرر کرے تو اس صورت میں بھی یہ بیع فاسد ہی ہوگی کیونکہ بیع کے صحیح ہونے کی شرائط میں ہے کہ بیع (شے) اور قیمت معلوم ہو کیونکہ یہ امور ایسے

ہیں کہ: فریقین میں باہمی اختلافات کا باعث بن سکتے ہیں لہذا ایسی شرائط فاسد ہوں گی[16]۔ قیمت کا کوئی وقت مقرر نہ ہو جیسے بائع اور مشتری میں سے دونوں نے سودا طے کیا لیکن مشتری نے قیمت ادا نہ کی بلکہ بائع نے یہ کہہ دیا کہ سال کے اندر اندر تم مجھے قیمت ادا کر دینا تو جتنی قیمت میں سودا طے ہوا تھا اس میں سے کچھ ادا ہوئے، جیسے سودا چار سو روپے میں طے ہوا قیمت جو ادا کی ۱۵۰ روپے ادا کی اور باقی کے پیسے یعنی دو سو پچاس روپے تم سال کے اندر ادا کر دینا۔

امام احمد رضا اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں جہالت یہ ہے جو باقی کی قیمت مشتری نے ادا کرنی ہے اس میں سال کا کہا گیا ہے کوئی تاریخ مہینہ مقرر نہیں ہوا لہٰذا یہ وعدہ سال کے شروع سے لے کر آخر تک ہو گا اور یہ معاملہ فریقین کے مابین جھگڑے کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا یہ بیع فاسد ہو گی۔[17]

الغرض وقت کا مقرر ہونا لازمی ہے کہ قیمت فلاں مدت تک فلاں تاریخ تک ادا کر دینا کیونکہ شرع مطہرہ انسانوں کے مابین یہ معاملات بغیر کسی جھگڑے اور فساد کے قائم رکھنا چاہتی ہے۔

بیع میں جب کوئی شے عقد کے وقت معدوم ہو موجود نہ ہو اور بائع قیمت وصول کر لے لیکن شے کا بعد میں دیا جانا طے پائے یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بیع میں یہ درست نہیں کہ جس شے سے متعلق سودا کیا جا رہا ہو۔ وہ موجود نہ ہو لیکن عقد بیع میں اس کی ایک قسم بیع سلم میں یہ رخصت دی گئی ہے کہ جس میں شے کا بعد میں حوالے کرنا لازم ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ یہ رعایت کہیں نہیں دی گئی۔ بائع اور مشتری جب سودا طے کرتے ہیں بعض اوقات شے موجود نہیں ہوتی بلکہ اس کا کچھ عرصے بعد تیار ہونا پایا جائے مثلاً گنے کی پیداوار اس کا رس بیچا لیکن وہ پیداوار اس قابل نہیں ہے کہ رس فوراً نکال کر بیچا جائے لہٰذا بائع مشتری سے یہ شرط عائد کر لیتا ہے کہ قیمت تو فوراً مشتری سے وصول کر لیتا ہے لیکن شرط عائد کرتا ہے کہ اتنے من رس پیدا ہو گا (اسی حساب سے قیمت لے لیتا ہے) بعد میں یہ طے پاتا ہے کہ اگر اتنے من رس جتنے کی قیمت وصول کر لی نہ پیدا ہوا تو بائع کو ساری یا باقی رقم مشتری کو ادا کرنی ہو گی لیکن ساتھ میں کچھ اضافی رقم بھی ادا کرنی لازم ہو گی ایسی تمام شرائط فاسد ہیں بلکہ جو قیمت باقی رہ گئی جتنا رس نکلا اگر مشتری نے اتنی قیمت ادا کی اس سے کم رس وصول ہوا تو جتنی باقی رقم بائع کے ذمے رہ گئی اتنی ہی ادا کرنا لازم ہے زیادتی وصول کرنا سود میں شمار ہو گا۔[18]

اسی طرح بائع اور مشتری نے یہ سودا کیا کہ فلاں شے اتنی مقدار میں بیچتا ہو وہ شے کی قیمت تو پوری وصول کر لیتا ہے مگر پوری شے میں سے کچھ مقدار مشتری کے حوالے کر دیتا ہے اور باقی مقدار کا دینا بعد میں قرار پاتا ہے۔ اس صورت میں بھی امام احمد رضا اس کی تشریح بیان کرتے ہیں کہ بوقت عقد شے موجود نہ تھی تو یہ بیع حرام و باطل ہو گی یہ جو کم مقدار مشتری نے وصول کی اس کو بھی بائع کے حوالے کر دے اور بائع پر لازم ہے پورے روپے مشتری کو واپس کر دے، لیکن اگر شے تو پوری مقدار میں بوقت عقد موجود تھی اور بائع اور مشتری میں اس کا سودا طے پایا لیکن بائع نے وہ ہی شے کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالی تو ایسا کرنے سے بیچنے والا گناہ گار ہو گا اور مشتری کو یہ معلوم نہ ہو کہ بائع نے شے کس شخص کے ہاتھ بیچی تو وہ اتنی مقدار کی رقم بائع سے واپس لے سکتا ہے۔ واضح رہے کہ صرف اتنی ہی قیمت جتنی شے کی تھی اس سے زیادہ مشتری وصول کرے گا تو گناہ گار ہو گا۔[19]

یعنی بائع اور مشتری دونوں میں سے جو اپنی قیمت سے زیادہ وصول کرے گا وہ سود میں شمار ہو گا اور باہم یہ شرط کر لینا کہ فلاں وقت تک یہ شے اتنی مقدار میں پیدا نہ ہوئی یا تم نے حوالے نہ کی تو اس مقدار سے زائد وصول کرنا حق سمجھا جاتا ہے لہٰذا ایسی تمام شرائط فاسد ہوتیں ہیں جو کہ عقد کو بھی باطل کر دیتی ہے۔ لہٰذا ان کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔

خرید و فروخت کا معاملہ تبادلے سے ہوتا ہے یعنی مال کا مال سے تبادلہ یا مال کا قیمت کے عوض وصول کرنا اس میں ایک فریق شے کا اور دوسرا قیمت کا مالک ہوتا ہے یعنی کسی شے کو دوسرے کی ملک بنا دینا بعض اوقات اس عقد میں ایسی شرائط رکھ دی جاتی ہیں کہ جن کی وجہ سے شے کا مالک دونوں عاقدین میں سے کوئی نہیں ہوتا امام احمد رضا اس بارے میں فرماتے ہیں کہ جیسے مشتری بائع سے درخت خریدے اور اس شرط پر کہ اس کے کاٹنے کی ذِمّے داری بائع پر ہے اصولاً تو یہ ہونا چاہیے کہ جو خرید رہا ہے وہی شے کا مالک ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ درخت کو باقی رکھے یا کاٹے اُس نے شے خرید لی اس سودے میں بیچنے والے پر کاٹنے کی شرط لگانا معاملے کو فاسد کرتا ہے۔

دوسری صورت میں بیچنے والا خریدنے والے پر یہ شرط عائد کردے، کہ میں درخت کو تمہیں بیچ رہا ہو مگر اس شرط پر کہ اس درخٹ کو کاٹنامت بلکہ زمین میں باقی رکھنا یعنی مشتری کو اس بات کا پابند بنادیا لہٰذا بیچنے والے کا خریدار پر یہ شرط لگانا معاملے کو فاسد کردیتا ہے۔ یہ شرائط فاسد ہیں ان کا تقاضا عقد نہیں کرتا کیونکہ اس طرح کی بیع میں تو کوئی ایک شخص بھی مکمل طور پر شے کا مالک نہ ہوا لہٰذا ملک میں دینے کا تصور ہی باطل ہو گیا ان شرائط کی وجہ سے نہ بیچنے والا اور نہ خریدنے والا کلی طور پر مالک نہ ہوئے؛ بلکہ دونوں میں سے ایک اس شے پر اپنا حق باقی رکھنا چاہتا ہے لہٰذا یہ سودا ناجائز ہوا اس کا فسخ کرنا عاقدین پر واجب ہے۔[۲۰]

عقدِ بیع میں جب فریقین کے مابین حتمی گفتگو ہو جاتی ہے تو سودا مکمل ہو جاتا ہے۔ عقد مکمل ہونے کے بعد فریقین باہمی رضا مندی سے کچھ وعدہ یا قرار داد تیار کرتے ہیں، لیکن اس کا اثر عقد پر نہیں پڑتا نہ ہی یہ کوئی شرط ہوتی ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ بیچنے والا یہ کہے کہ میں نے یہ چیزیں تمہارے ہاتھ تین ہزار روپے کو بیچی اس پر مشتری نے کہا کہ میں نے قبول کیں یہاں تک معاملہ حتمی ہو گیا یہ بیع جائز ہو گئی اس عقد کے طے پاجانے کے بعد ایک قرارداد یا وعدہ دونوں نے طے کیا کہ مشتری نے بائع سے کہا کہ جب تو چاہے مجھ سے دوبارہ یہ شے خرید لینا میں تیرے ہاتھ بیچ دوں گا پھر بیع نامے میں بھی اس غرض سے یہ بات درج کر دی کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے وعدے سے نہ مکرے تو ایسا کرنے سے یہ بیع فاسد نہیں ہو گی یعنی (Agreement) میں یہ تحریر کر دیا کہ میں نے فلاں جائیداد بکر کے ہاتھ تین ہزار میں بیچی اور ہم دونوں کے مابین یہ وعدہ ہے کہ میں جب چاہوں بکر سے یہ جائیداد خرید لوں گا بکر کو میرے ہاتھ بیع کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔[۲۱]

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ اس طرح دلکھے جانے سے بیع فاسد نہیں ہو گی بلکہ اس وعدے کی بنا پر جو بیع ہو گی وہ درست ہو گی دوسری صورت یہ ہے کہ جیسے زید نے اپنا مکان کچھ روپے کے عوض بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا اس کے بعد بکر سے یہ اقرار نامہ لکھوالیا کہ دو برس یا چار برس بعد یہ مکان میرے پاس فروخت کر دینا جس قیمت میں مجھ سے یہ خریدا تھا اس بیع کے بعد زید اسی مکان میں بطور کرایہ دار کے رہا اور کرایہ مشتری کو دیتا رہا تو ان دونوں فریقین کا عمل درست ہے اور مشتری کا کرایہ لینا جائز ہے۔[۲۲]

کیونکہ اس طرح کے معاملات میں یہ عقد کسی شرط کے تحت قرار نہیں پایا بلکہ عقد پہلے طے ہوا اور یہ وعدہ بعد میں، پھر یہ صورت ایسی نہیں کہ دونوں فریقین کے مابین نزاع کی صورت باقی رہے کیونکہ اس معاہدے میں کوئی شرط بائع یا مشتری نے ایک دوسرے پر عائد نہیں کی اور نہ ہی خلاف شرع کوئی کام کیا ہے۔ لہٰذا ایسا معاملہ درست ہو گا۔

اسی طرح کی ایک صورت امام احمد رضا بیان کرتے ہیں کہ کسی شے کا بیع نامہ لکھا جائے اس میں یہ فقرہ بھی لکھ دیا جائے کہ اس بیع نامے کا نفاذ فلاں مدت کے بعد ہو گا، اگر مشتری اس مدت کے اندر قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو اس پر لازم ہو گا کہ جتنے میں سودا طے ہوا یا مشتری نے جتنی قیمت بائع کو ادر کرنی تھی اس سے زیادہ ادا کرے گا۔ اس مسئلے میں بھی آپ یہی وضاحت بیان کرتے ہیں کہ اصل عقد اس شرط کے تحت قرار نہ پائے کہ فلاں مدت کے نفاذ تک مشتری کو قبضے کا حق نہیں اگر تو یہ شرط نہ ہوئی بلکہ بیع کا معاملہ طے ہو گیا اور اس میں یہ مدت نفاذ کی شرط نہ تھی بلکہ بعد میں بیع نامہ میں لکھی گئی اس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ بیع صحیح ہو گی۔ فوراً وقت عقد ہی اس کا نفاذ ہو گیا اور بائع پر لازم ہے جتنی قیمت میں سودا طے ہوا اس سے زیادہ نہ لے۔[۲۳]

عقد بیع کے لیے ضروری ہے کہ جس شے کی بیع کی جائے وہ مالک کی ملک میں ہو اور مالک وہ شے خریدار کے حوالے کرنے پر قادر ہو جب تک بیع (شے) کو کسی وجہ سے خریدار کے حوالے نہ کر سکتا ہو وہ مقدور التسلیم کہلاتی ہے۔ مقدر والتسلیم شے کی بیع درست ہو گی یعنی بیع کا محل وہ شے ہے، جو بائع کی قدرت میں ہو جب تک اس کو قدرت حاصل نہیں ہو گی بیع درست نہیں ہو گی امام احمد رضا اس بات کی وضاحت بیان کرتے ہیں کہ جیسے تالاب جو کہ عام طور پر ہر جگہ بنے ہوتے ہیں ان میں جو مچھلیاں موجود ہوتیں ہیں وہ کسی خاص کی ملکیت نہیں ہوتیں جیسے کہ عموماً رواج ہے کہ گاؤں میں زمیندار ان کو اپنی ملک میں رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ مچھلیاں ان کی ملک بھی نہیں ہیں کیونکہ جو کوئی بھی انہیں پکڑے گا اُسی کی ملک ہوں گی۔ زمینداروں نے تالاب اس

غرض سے بنائے ہوں کہ برسات کے موسم میں ندیوں سے مچھلیاں بہہ کر آئیں تا کہ وہ ان کی ملک میں آئیں تو بلاشبہ جو بھی مچھلیاں ان تالابوں میں جمع ہوں گی وہ زمینداروں کی ہی ملک میں ہوں گیں کیونکہ یہ مچھلیاں مقدر والتسلیم شے کی بیع ہے، جو کہ جائز ہے۔(ان کی بیع کرنا زمینداروں کا حق ہے)[۲۴]

اسی طرح جو گھاس مباح ہو وہ بھی کسی ایک کی خاص ملکیت نہیں جو کہ گھاس کی رکھوالی کرے جانوروں وغیرہ سے بچائے وہ گھاس اس کی ملک ہو جائے گی لہٰذا اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ملک کی شے کو فروخت کر رہا ہے جو کہ جائز ہے۔[۲۵]

امام احمد رضا اس بارے میں نادر تحقیق پیش کرتے ہیں کہ جس شے پر ملکیت حاصل ہو ملک ہونا ہی فی الحال صحت بیع کے نفاذ کے لیے ضروری ہے۔ حقیقتاً مقدر والتسلیم فی الحال ہونا ضروری نہیں ہو تا مثلاً گھر کے کبوتر جو کہ پلے ہوئے ہوں صبح کو اڑائیں جائیں ان کی غیر موجودگی میں ان کی بیع درست ہو گی بشرطیکہ کہ ان کبوتروں کا واپس پلٹنے پر اعتماد ہو۔ان کبوتروں کا واپس پلٹنا ہی ان کی بیع کو درست کرے گا کہ فی الوقت وہ شے خریدار کے حوالے کرنا ممکن نہیں لیکن ملک میں ہونا لازمی ہے۔[۲۶]

امام احمد رضا ان شرائط فاسدہ کی تفصیل میں مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بطور مہر اپنی زوجہ کو دو مکانات دیتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ آئندہ میں اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد میں جو کچھ بھی پیدا کروں گا وہ میری زوجہ کی ملکیت ہی ہو گا میرے اہل وعیال کا اس میں کسی قسم کا حق نہ ہو گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ دو صورتیں کہ آئندہ آنے والے وقت میں وہ بھی اپنی محنت سے پیدا کرے گا وہ سب زوجہ کی ملک ہو گا دوسرا کہ کسی قسم کی نااتفاقی ناچاقی کی بنا پر تمام جائیداد کی مالک زوجہ ہی ہے یہ دونوں شرائط باطل ہیں اسی باطل کی بنا پر جو کچھ بھی اپنی زوجہ کو دیا وہ ان کی ملک ہی میں ہوا (کیونکہ باطل عقد سرے سے ہی قائم نہیں ہوتا) تو ان سب کا مالک وہ ہی شوہر رہے گا۔

جو دو مکانات اصل میں مہر کے عوض دیے تھے وہ فاسد شرائط کے سبب سے بھی زوجہ کی ملک نہ رہے کیونکہ اس پورے معاملے میں شرائط فاسد تھیں لہٰذا پورا معاملہ ہی فاسد ہو گیا دونوں پر لازم ہے کہ وہ اس بیع کو فسخ کریں مکان شوہر کو ہی واپس کیے جائیں مہر خاوند کے ذمے واجب الادا رہا اسی طرح کے مسئلے میں امام احمد رضا اس نکتے کی وضاحت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اس نوعیت کی بیع میں ایک فریق کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان ہوتا ہے؛ لہٰذا بیع فاسد ہو گی۔[۲۷]

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ صرف دو یا تین برس کی مدت تک یہ نکاح قائم رکھوں گا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ جس نکاح میں کسی مدت کی قید لگا دی جائے، تو وہ نکاح باطل وفاسد ہو گا اور اس کا فسخ کرنا واجب ہو گا، لہٰذا دونوں پر لازم ہے کہ اگر اس طرح شرط کے تحت نکاح کیا تو فوراً علیحدہ گی اختیار کر لیں ورنہ حاکم کو اطلاع ہو تو وہ جبراً ان کو جدا کرے۔[۲۸]

خلاصۂ تحقیق

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ وہ تمام صورتیں ہیں جو کہ عقد کو باطل وفاسد کرنے کا سبب بنتی ہیں یہ تمام شرائط ایسی ہیں کہ جو شریعت اسلامی کے منافی ہیں۔ان کے تحت جو بھی عقد طے پائے گا اس کا ختم کرنا عاقدین پر لازم ہے، ورنہ وہ گناہ گار ہوں گے اور حرام عقد کے تحت حاصل کیا ہوا نفع بھی حلال نہیں ہو سکتا۔اس مقالے میں ہم نے بیع فاسد کی تمام شرائط کا احاطہ کرنے کی کوشش کی تا کہ ہر عقد سے متعلق جو شرائطِ فاسدہ ہیں ان کے بارے میں علم ہو سکے جائز وناجائز کی تمیز ہو ان کے مابین جو فرق ہے وہ واضح ہو ان تمام شرائط کا عقد بیع میں پایا جانا اس معاملے کے ہی خلاف ہے جس کی وجہ سے پورا معاملہ ہی فاسد ہو جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان سے واقفیت حاصل ہو اور ان تمام صورتوں سے اجتناب کیا جائے تا کہ امّتِ مسلمہ جائز اور حلال کمانے کی طرف گامزن ہو سکے۔

نتائج

(۱) شریعتِ اسلامی نے بنی نوع انسانوں کے مابین معاملات کو امن و سکون اور درست طریقے سے قائم کرنے کے لیے کچھ اصول متعین کیے ہیں، جن کے مطابق عقد کو اس کی صحیح شرائط کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف کچھ شرائط فاسد ہوتی ہیں کہ جن کا تقاضا عقد نہیں کرتا بلکہ وہ خلافِ عقد ہوتی ہیں۔ ان کے مطابق کیا ہوا معاملہ فاسد ہوتا ہے اور یہ فساد اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک دونوں عاقدین اس کو ختم نہ کریں لہٰذا شرع کے مطابق اس فساد کو ختم

کرنا اور معاملے کو از سرِ نو قائم کرنا عاقدین کی ذمّے داری ہوتی ہے۔

(۲) امام احمد رضا نے ان فاسد شرائط پر اپنی تحقیقات پیش کیں کہ ان شرائط فاسدہ کو منظرِ عام پر لایا جائے جن کے مطابق عقد فاسد ہوتا ہے جن کا توڑنا عاقدین پر واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا امام احمد رضا کی بیع فاسد سے متعلق صورتیں سبھی اس مقالے میں بیان کیں ہیں تاکہ عوام الناس معاملات کو قائم کرتے وقت ان فاسد شرائط سے بچیں تاکہ شرع کے مطابق حلال کھا سکیں۔

عملی اطلاق

خرید و فروخت کے معاملات نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہی جب قائم ہوتے تھے تو آپ ﷺ نے ان تمام معاملات میں جو باتیں درست تھیں ان کا تذکرہ بھی بیان کر دیا، اسی طرح جو فاسد صورتیں تھیں ان کی تفصیل بھی بتادی تاکہ امت مسلمہ جائز حدود کے اندر رہ کر اپنے معاملات سر انجام دیں۔

گزرتے وقت کے ساتھ معاملات خرید و فروخت میں تبدیلی بھی رونما ہوئی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو بھی معاملہ طے کیا جائے خرید و فروخت کے تمام معاملات شریعت کے مطابق قائم کیے جائیں۔ شرائط ایسی نہ لگائی جائیں جن کا تذکرہ شرع میں نہیں ملتا بلکہ وہاں بھی ان کے جواز کی صورت وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی علما فقہا کا ان پر اجماع ہو۔ لہٰذا ایسی شرائط فاسد ہیں ان کے مطابق کیا ہوا عقد توڑنا واجب ہے، ورنہ بائع اور مشتری دونوں ہی اس عمل کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

شرط جس کو شرع نے جائز رکھا ہو جیسے خیار شرط ایسی ہے جس پر آج کل بھی مسلمان عمل کرتے ہیں جیسے چیزوں کو اس شرط پر خریدا جاتا ہے کہ مطلوبہ شے میں کوئی خرابی ہو تو اتنی مدت تک گارنٹی ہے کہ بیچنے والا شے کی درستگی کی ذمّے داری لیتا ہے، مگر وہ ایک متعین مدت تک ایسی شرائط جائز ہیں۔

خرید و فروخت میں بیچنے والا خریدنے والے سے سودا طے کرتا ہے۔ سودا حتمی ہونے پر کچھ رقم بیعانے کے طور پر رکھ لیتا ہے کہ جیسے خریدار قیمت کا کچھ حصّہ ادا کر دے اور یہ وعدہ کرے کہ اگر وہ ادا کر نہ سکے تو اس کی یہ رقم ضبط ہو جائے گی ایسی شرائط وعدوں سے ممانعت از روئے شرع متعین ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیعانے سے منع فرمایا؛ کیونکہ رقم کا ضبط کرنا یہ کسی بھی طرح درست نہیں۔ اس لیے کہ اس طرزِ عمل سے خریدنے والے کو نقصان ہو سکتا ہے جبکہ بیچنے والے کا فائدہ ہی فائدہ ہے تو شرع کبھی بھی ایسے وعدوں کا پابند نہیں بناتی جس میں انصاف موجود نہ ہو کہ ایک فریق کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان۔ لہٰذا ایسی شرائط ناجائز ہیں عہدِ حاضر میں چیزوں کو قسطوں پر لینا عام ہے جس میں ایک رقم متعین کرلی جاتی ہے کہ خریدنے والا بعض اوقات پوری رقم یک مشت ادا نہیں کر سکتا تو وہ قسطیں کروالیتا ہے جس میں ہر ماہ اسے کچھ رقم ادا کرنی پڑتی ہے کچھ عرصے بعد وہ شے اس کے نام ہو جاتی ہے۔ چونکہ دونوں فریقین کے مابین شے کی قیمت مقرر ہو چکی ہے اس سے زائد لینا کسی بھی صورت جائز نہیں۔

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الکریم، سُوْرَۃُ الْجُمُعَة، آیت ۱۰۔

۲۔ دیکھیے بہارِ شریعت، مولانا امجد علی اعظمی، گیارھواں حصّہ، ص۸۹، مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۹ء، الھدایہ۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ جامع الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی النھی عن بیعین۔

۵۔ دیکھیے ایضاً۔

۶۔ دیکھیے فتاویٰ رضویہ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات)، جلد ۱۷، ص ۱۴۴۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۴۴۔ ۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً، جلد ۸، ص ۱۹۳۔ ۱۰۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۲۷۔

۱۱۔ ایضاً، جلد ۲۶، ص ۳۶۹۔

۱۲۔ دیکھیے، ایضاً، جلد ۱۶، ص ۱۱۳، جلد ۱۷، ص ۱۱۵، جلد ۱۷، ص ۱۲۷۔

۱۳۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۱۵۔ ۱۴۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۲۵۔

۱۵۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۷۰۔ ۱۶۔ دیکھیے ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۶۔

۱۷۔ دیکھیے ایضاً، جلد ۱۸، ص ۲۵۷۔ ۱۸۔ ایضاً، جلد ۱۸، ص ۱۶۱۔

۱۹۔ ایضاً۔ ۲۰۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۵۳۔

۲۱۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۵۶۔ ۲۲۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۷۳۔

۲۳۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۲۷۔ ۲۴۔ ایضاً، جلد ۱۹، ص ۲۲۶۔

۲۵۔ ایضاً، جلد ۱۹، ص ۴۳۲۔ ۲۶۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۸۳۔

۲۷۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۶۹، ۴۴۵۔

۲۸۔ فتاویٰ افریقہ، احمد رضا خاں، مولانا، ص ۵۱، شبیر برادرز، لاہور، ۲۰۰۹ء۔

اعلیٰ حضرت اور حکومت برطانیہ

سید عبداللہ حسن علوی اشرفی (ایم اے، بی ایڈ)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدّدِ دین وملّت، امامِ عشق ومحبت، امام اہلِ سنّت مولانا الحاج الشاہ امام احمد رضا خاں محقق و محدث بریلوی علیہ رحمۃ الباری کی ذاتِ ستودہ صفات عالم اسلام کے لیے بالخصوص عاشقانِ رسول ﷺ کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ وہ مقدس اور عظیم المرتبت ذیشان اور کوہ شکن ہستی تھی جن کے آگے زمانے کے بڑے سے بڑے فرعونِ وقت کو سرنگوں ہوتے دیکھا ہے، پھر خواہ وہ بڑے سے بڑا بد مذہب، گمراہ، بدعتی، الحادی مرتد مولوی ہو یا اس کی پوری جماعت، یا پھر وطن عزیز ہندوستان کی غاصب و قابض، ظالم برطانوی حکومت۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی ذاتِ مقدسہ جہاں علوم دینیہ، عقلیہ ونقلیہ کی سرتاج وامام وقت نظر آتی ہے وہیں آپ کی مبارک شخصیت اپنے عہد کے سب سے بڑے دشمنِ اسلام و مسلمین و وطن عزیز ہندوستان کے ظالم حکام انگریز وسلطنت برطانیہ کو بھی اپنے قدموں کی ٹھوکریں مارتی دکھائی دیتی ہے۔

یہ بہت بڑی ستم ظریفی ہے کہ محض مسلکی و مذہبی عداوت و بغض میں تاریخ و سیاست کے بعض اہل قلم نے عصبیت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کو انگریز مخالف علما میں شمار وشامل کرنے پر تعصب سے کام لیا ہے مگر ''حقیقت چھپائے نہیں چھپتی'' اور ''حق خود کو منوا ہی لیتا ہے'' کے مصداق اہل قلم کی جماعت سے سیاسی تاریخ دانوں میں ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے حق بیانی سے کام لیا ہے اور امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی انگریز مخالفت اور برطانوی حکومت سے تنفر و دشمنی کی سچائی پر سے گرے پردوں کو اٹھا دیا ہے۔

دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت بڑی ہے جو اپنے دل کے پھپھولے کہیں کے کہیں پھوڑتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی علمی و دینی خدمات سے جل بھن کر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کو انگریزوں کا حامی و طرف دار کہتے پھرتے ہیں اور وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقت میں یہ داغ ان کے اپنے دامن کے ہیں؛ اور تو اور ان کے پیشواؤں کی ایک بڑی جماعت انگریزوں کی وفاداری وطرف داری اور اس جیسے کتنے ہی بڑے بڑے سیاہ و بد نما بھدے داغ ودھبے لیے موجود ہیں۔ یہ زمانے کا دستور ہے کہ جب آدمی کے پاس اپنی دفاع کو کوئی جواب باقی نہیں رہ جاتا تو لوگ تشدّد، بدزبانی، الزام تراشی، فحش گوئی جیسے اعمالِ قبیحہ و اخلاقِ رذائلہ کو اختیار کر لیتے ہیں اور بالخصوص منافقین وحاسدین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب اپنے مقابل کے خلاف کوئی حربہ کام نہ آسکے تو الزامات کا سلسلہ جاری کر دو تا کہ شخصیت داغ دار ہو جائے اور بدنام ہو کر ناکام ہو جائے، مگر ظالم یہ بھول جاتے ہیں کہ جو اللہ کے دین کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے، اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ مجدّدِ دین ہیں، محافظ دین ہیں پھر بھلا اللہ رب العزت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا محافظ کیوں نہ ہو؟ آیئے! ہم تاریخ کی روشنی میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی انگریزوں اور حکومت برطانیہ سے نفرت کا جائزہ لیں۔

جناب شوکت صدیقی صاحب مدیر ہفت روزہ ''الفتح''، کراچی، لکھتے ہیں: ''مولانا احمد رضا خاں جون ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں ان کا وصال ہوا۔ وہ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری اور مولداً بریلوی تھے۔ ان کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام ہے کہ وہ انگریزں کے پروردہ یا انگریز پرست تھے، نہایت گمراہ کن اور شر انگیز ہے۔ وہ انگریزوں اور ان کی حکومت کے اس قدر کٹر دشمن تھے کہ لفافے پر ہمیشہ الٹا ٹکٹ لگاتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ میں نے جارج پنجم کا سرنیچا کر دیا۔ انہوں نے زندگی بھر انگریزوں کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا۔ مشہور ہے کہ مولانا احمد رضا نے عدالت میں کبھی حاضری نہ دی۔ ایک بار انہیں ایک مقدمے کے سلسلے میں عدالت میں طلب بھی کیا گیا، مگر انہوں نے توہینِ عدالت کے باوجود حاضری نہ دی اور یہ کہہ کر نہ دی کہ میں انگریز کی حکومت ہی کو جب تسلیم نہیں کرتا تو اس کے عدل وانصاف اور عدالت کو تسلیم کیسے کروں۔ کہتے ہیں کہ انہیں گرفتار کر کے حاضرِ عدالت ہونے کے احکامات جاری کیے گئے، بات اتنی بڑھی کہ معاملہ پولیس سے گزر کر فوج تک جا پہنچا، مگر ان کے جانثار ہزاروں کی تعداد میں سر سے کفن باندھ کر ان کے

گھر کے سامنے کھڑے ہو گئے، آخر عدالت کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔" (ہفت روزہ الفتح ۱۴، ۲۱ مئی ۱۹۷۶، ص۱۷) (از: مقالاتِ سعیدی، غلام رسول سعیدی ،مقالہ " برِّصغیر کی سیاست اور علماءِ اہلِ سنّت"، صفحہ ۴۸۳)

اور مدیر "الحبیب" لکھتے ہیں: ایک مرتبہ انگریز کمشنر نے ۳۵ مربع زمین آپ کو پیش کی، مگر اس مردِ قلندر نے فرمایا: "انگریز اپنی تمام حکومت مجھے دے دے تو بھی میرا ایمان نہیں خرید سکتا۔" (ماہنامہ "الحبیب"، اکتوبر ۱۹۷۰ء) (از: مقالات سعیدی، علامہ غلام رسول سعیدی مقالہ " برصغیر کی سیاست اور علماء اہل سنت"، صفحہ ۴۸۳)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ قیامِ جبل پور کے دوران نمازِ عصر کے بعد کبھی تفریح فرمانے جایا کرتے، برہانِ ملّت حضرت علامہ مفتی برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ (خلیفۂ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ) ایک دن کا واقعہ یوں نقل فرماتے ہیں: ایک دن بعد نمازِ عصر تفریح کے لیے بگھی پر، گن کیرج فیکٹری کی طرف نکلے، فوجی گوروں کی پارٹی فیکٹر سے اپنے اپنے کواٹروں کی طرف جارہی تھی، انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا: "کم بخت بندر ہیں" مولانا حسنین میاں نے فرمایا: " صرف دُم کی کسر ہے "(از: اکرام امام احمد رضا، برہان ملت حضرت علامہ مفتی برہان الحق جبل پوری، خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صفحہ ۹۱)

حاجی علاؤالدین میرٹھی ایک مسئلے کی تحقیق کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: "آپ کے خطوط آتے ہیں ان میں ٹکٹ زیادہ لگے ہوتے ہیں حالاں کہ لفافہ دو پیسوں میں آجاتا ہے۔" حاجی صاحب نے عرض کی: "حضور دو پیسوں کے ٹکٹ تو عام لوگوں کے خطوط پر لگائے جاتے ہیں۔" فرمایا: "بلا وجہ نصاریٰ کو پیسہ پہنچانا کیسا؟" (از: حیات اعلیٰ حضرت، ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ، صفحہ ۱۴۰،)

جناب شوکت صدیقی صاحب مدیر ہفت روزہ " الفتح" کراچی میں عنوان " فاضل بریلوی اور ان کے رفقاء کی سیاسی خدمات " کے تحت اپنا اظہار خیال ان لفظوں میں کرتے ہیں: "مولانا احمد رضا خاں نہ کبھی انگریزوں کی حکومت سے وابستہ رہے، نہ ان کی حمایت میں فتویٰ دیا، نہ کبھی اس بات کا کسی طور پر اظہار کیا۔ کم از کم میری نظر سے ان کی ایسی کوئی تحریر نہیں گزری۔ اگر ایسی کوئی بات سامنے آتی تو اس کا ذکر ضرور کرتا اس لیے کہ نہ میرا ان کے مسلک سے کوئی تعلق ہے نہ ان کے خانوادے سے، لہٰذا شاہ احمد رضا کو علمائے سو کے زمرے میں شامل کرنا سراسر بہتان اور تہمت ہے۔" (ہفت روزہ الفتح، شمارہ ۲۸ مئی تا ۴ جون ۱۹۷۶، ص ۱۸، ۱۹، از: آئینہ امام احمد رضا، شمس مصباحی)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ، تحریکِ ترکِ موالات سے متعلّق نوّے (۹۰) صفحات پر مشتمل اپنے مبسوط رسالہ " المحجۃ الموتمنہ" میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں: "واحد قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہی مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو۔ نہیں نہیں اُس پر بھی جس نے حق مسئلہ نہ رضائے خدا اور سول، نہ تنبیہ و آگاہی مسلمین بتایا بلکہ اس سے خوشنودیٔ نصاریٰ مقصد و مدعا ہو۔" (صفحہ ۴۸)

مذکورہ بالا ان تمام تاریخی شواہد سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ انگریز دوست نہیں، انگریز دشمن تھے اور پھر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کو ہر اس تحریک اور ہر اس فرد سے بھی نفرت تھی جس کا تعلق یا محبت و موّدت انگریزوں یا انگریزی حکومت سے ہوتا۔ بحمدہٖ تعالیٰ یہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے تحفظ دین کی خدمت کا ہی ثمرہ ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ الکریم نے آپ کو انگریزی حکومت ہو یا کوئی اور سلطنت، ہر ایک کی آلہ کاری سے پاک و صاف رکھا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے اگر کسی کا دفاع کیا تو وہ اللہ اور اس کے رسل اور محبوبانِ بارگاہ اِلٰہی ہیں۔ ان کی شان و عظمت، مرتبت، مقام و منصب میں گستاخیاں کرنے والوں کے خلاف تا عمر سینہ سپر رہے، پھر مقابلے میں خواہ انگریز ہوں یا انگریزوں کے مسلمان نما آلہ کار مولویان۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی تنہا وہ ذات مبارکہ ہے جنہوں نے اپنے خدا داد علم و فضل کی بدولت کمال ہوشیاری و بیدار مغزی سے انگریزوں کی عیاں و خفیہ سازشوں کو ناکام بنایا اور انگریزوں کے مقرر کردہ لیڈروں، مولویوں اور پیروکاروں کا سرعام بھانڈا پھوڑا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے ہر ایک کی علمی و قلمی سرکوبی فرمائی اور کسی کو یہ حق نہ دیا کہ کوئی بھی رسول گرامی وقار ﷺ کے اس مقدس دین اور حضورِ اقدس ﷺ کی اس بھلی و بھولی امّتِ اجابت کے ساتھ کھلواڑ کر سکے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے دین و امت کے دنیوی و اُخروی مفاد کو ہمیشہ مدِّ نظر رکھا اور ایسی تدابیر و حکمتیں اختیار فرمائیں کہ جس سے دین کی بھی حفاظت ہو اور امّت کی بھی۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد حسن امام (استاذ، وفاقی جامعہ اُردو، پاکستان)

Abstract: Undoubtedly, coming in being of Pakistan was a great event. It was an astonishing revolution according to its effect & conclusions. Actually, Pakistan was neither made because of any need of time & expedience nor a support of any party (Person) or Power and result of conspiracy. But it was achievement of continuous mental and intellectual & practical efforts. Further it was a logical result of continuous events & situation after 1857. Then there is not only a single moment, so many moments and activities were behind this revolution. But this is the reality that religious, political, traditional, cultural, social, economical, psychological activities were also behind the aim of Pakistan was never only to divide Hind. The Muslims have their own culture and their own civilization. Hence the Muslims should get a state in the Muslim majority areas where they may be able to Cultivate their religious and moral tradition. In 1925 the all India Sunni Conference took place at Muradabad. According to its plan the Muslim majority provinces of the sub-continent were to be made a separate unit with a Muslim Government.

بلاشبہ پاکستان کا قیام ایک عظیم واقعہ تھا۔ اپنے اثرات اور نتائج کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز انقلاب تھا۔ پاکستان کا قیام دراصل کسی وقتی ضرورت اور مصلحت کی بنا پر عمل میں نہیں آیا، نہ کسی فریق یا طاقت کی شہ اور سازش کا نتیجہ تھا؛ بلکہ برِّ صغیر کے مسلم دانشوروں، مفکروں، مدبروں کی مسلسل ذہنی فکری عملی کاوشوں کا حاصل تھا۔ نیز ۱۸۵۷ء کے بعد متواتر رونما ہونے والے حالات و واقعات کا منطقی نتیجہ تھا۔ پھر اس انقلاب عظیم کے پیچھے ایک محرک نہیں بلکہ بہت سارے محرکات اور عوامل کار فرما رہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کے پیچھے مذہبی، سیاسی، ثقافتی اور تہذیبی، معاشرتی، معاشی، نفسیاتی اور تاریخی محرکات بھی تھے۔ تحریکِ پاکستان کا مقصد صرف تقسیم ہند ہی کبھی بھی نہیں رہا۔ قائد اعظم محمد علی جناح اور دیگر زعما ملت اور علما و مشائخ کرام پاکستان کے مقصد اور اغراض و مقاصد سے قوم کو برابر آگاہ کرتے رہے۔ حیرت ہے اب تک قیامِ پاکستان کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے سب یک طرفہ ہے۔ مؤرخین نے تاریخ نویسی کے دُرست تقاضوں کو پیشِ نظر نہیں رکھا اور حقائق بیان کرنے میں تنگ نظری سے کام لیا اور تعصب برتا، جو واضح طور پر نظر آتا ہے۔ بالخصوص تحریکِ آزادی میں علما کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ تاریخ کو عقیدے اور عقیدت پر غالب ہونا چاہیے اور دین اسلام، مخلص خدمت گاروں میں یہ دیکھنا کہ کون ہمارا ہم عقیدہ ہے اور کون نہیں ہے جو ہے اس کو آسمان پر چڑھاؤ اور جو نہیں اس کو زمین پر گرادو۔ یہ انداز فکر تو نہایت ہی غیر مؤرخانہ اور متعصبانہ ہے۔

مندرجہ ذیل اُمور سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

✷ اس بات کا شکوہ معروف مؤرخ اور ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی بھی کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں ۱۹۷۳ء میں علماءِ اہلِ سنّت کی خدمات پر تحقیقی کام کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریکِ جہاد اور دیگر جہاد میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے لہٰذا میں نے پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب سے ضروری مواد حاصل کیے۔[1]

✷ قابل افسوس اور حیرت ناک بات تو یہ ہے کہ جامعہ کراچی جس میں بعض اساتذہ ایسے بھی ہیں جو ایک علمی تاریخی پس منظر رکھتے ہیں۔ جامعہ کراچی سے ایک پی ایچ ڈی کا مقالہ بنام "تحریکِ پاکستان میں علما کا سیاسی اور علمی کردار" شائع ہوا ہے، جس میں ایسے علما کو تحریکِ پاکستان کا اصل ہیرو قرار دیا گیا ہے جو تحریکِ پاکستان کے مخالف تھے اور علماءِ اہلِ سنّت بالخصوص مولانا شاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلویؒ اور ان کے خلفا کی خدمات کو یک سر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

✷ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے پیچھے سالہا سال سے علماءِ اہلِ سنّت اور مشائخ عظام کی ایک کثیر جماعت یعنی السواد الاعظم اہلِ سنّت و جماعت حنفی بریلوی تحریکِ آزادی ہند کے لیے برطانوی اور ہندو استعمار سے نبرد آزما رہی تھی اور قیامِ پاکستان کے حقیقی مؤسس اور بانی علماء مشائخ اہلِ سنّت اور مسلمانانِ ہند ہی تھے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کی بھرپور وکالت کی اور گاندھی جیسے مکار لیڈر سے گفتگو کرنے میں مہارت تامہ کا ثبوت دیا۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کے لیڈر کہلائے۔

✷ اسی طرح نہ معلوم کیوں تحریکِ پاکستان کے حوالے سے مرتب کی جانے والی انگریزی اور اُردو تاریخوں میں مولوی سیّد احمد بریلوی (المتوفی ۱۸۳۱ء) کی تحریک کے ڈانڈے تحریکِ پاکستان سے بھی

ملائے جاتے ہیں۔ غور کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تحریکِ پاکستان میں ان کے متبعین و موئیدین کا کردار علماءِ اہلسنت کے مقابلے میں زیادہ شاندار تو نہیں رہا؛ شاید ذوق مسابقت میں ایسا کیا گیا۔ اور یہ عام تاثر دیا گیا کہ سیّد احمد بریلوی صاحب کا مقصود اسلامی حکومت کا قیام تھا اور حصولِ پاکستان سے یہ مقصد پورا ہو گیا، لیکن اگر واقعی یہ مقصد تھا تو ان ہزاروں لاکھوں متبعین کے لیے کیا تھا؟ جو سرے سے پاکستان کے خلاف تھے اور اب بھی اپنے مسلک پر قائم ہیں۔ اس بات کا سلجھاؤ بہت مشکل نظر آتا ہے۔

✸ جہاں تک مولوی محمود حسن (۱۸۵۱ء/ ۱۹۲۰ء) کا تعلق ہے وہ بھی ایسی حکومت کے خواہاں تھے جو ہندو اور مسلمانوں کے اشتراک سے وجود میں آئے اسی لیے انہوں نے تحریکِ آزادی میں ہندوؤں بلکہ سکھوں کو بھی شرکت کی دعوت دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کچھ شبہ نہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کے سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقاصد کے حصول کے لیے موئید بنادیا اور میں ان دونوں قوموں (ہندو، مسلمان) کے اتفاق و اتحاد کو بہت مفید اور معاون سمجھتا ہوں۔ مولوی محمود حسن کو حجاز سے گرفتار کر کے مصر لایا گیا تو تفتیش کرنے والے ایک انگریز کے سوالات کے جو جوابات آپ نے دیے اس کو مولانا حسین احمد مدنی نے نقل کیے ہیں۔ اس کا خلاصہ ذیل میں دیا جارہا ہے:

✸ ریشمی خطوط کے بارے میں مولانا محمود حسن کو کچھ علم نہ تھا۔

✸ ''جمعیت انصار'' محض مدرسۂ دیوبند کے مقاصد کے لیے قائم کی گئی تھی۔

✸ حکومتِ برطانیہ کے خلاف کسی سازش میں ملوث نہ تھے۔

✸ یہ الزام بے بنیاد ہے کہ آپ ترکی، ایران، افغانستان کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرانا چاہتے تھے اور اسی طرح اسلامی حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔[۲]

اس میں کوئی شک نہیں مولوی محمود حسن نے تحریک آزادی میں حصّہ لیا صرف مقاصد میں کلام کیا جاسکتا ہے۔ مولانا موصوف کے مقصد کے بارے میں مولوی رشید احمد ارشد نے لکھا ہے کہ مولوی محمود حسن کا مقصد یہ تھا کہ ہندو، مسلم اور سکھ مل کر مطلق آزادی حاصل کریں ان کے سامنے اسلامی حکومت کا کوئی واضح تصوّر نہ تھا۔ اس لیے ان کے مشن میں سکھ اور انقلابی ہندو شریک تھے۔[۳]

وحدۃ الوجود کا عقیدہ جہاں وحدتِ ادیان کی طرف لے جاتا ہے وہیں وہ متحدہ قومیت کا بھی درس دیتا ہے۔

جمعیت علماءِ ہند کی بنیاد دیوبند کے جن بزرگوں نے رکھی تھی ان کی اکثریت سلسلۂ چشتیہ کی اس صابریہ شاخ سے وابستہ تھی جس کے سرخیل حضرت عبد القدوس گنگوہی تھے۔

جمعیت العلماء ہند کے بانیوں کا ذہنی اور روحانی تعلق چونکہ حضرت عبد القدوس گنگوہی کے ساتھ تھا، اس لیے جمعیت علماءِ ہند کا حضرت گنگوہی کی تعلیمات اور خیالات سے متاثر ہونا ایک لازمی اَمر تھا۔ جمعیت العلماء ہند کے رہنما اپنے شیخ کی اقتدا میں نظریۂ وحدۃ الوجود پر ایمان رکھتے تھے اور اس نظریے پر ایمان رکھنے کا یہ تقاضا تھا کہ وہ ہر طرح کے تعصبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سیکولرازم کو اپنا کر ہندو مسلم کا سوال ختم کر دیتے۔ اس نظریۂ وحدۃ الوجود بالواسطہ متحدہ قومیت اور اکھنڈ بھارت کے تصوّر کو فروغ دیتا ہے۔ جمعیت العلماء ہند نے تقسیم ہند کی جو مخالفت کی تھی۔ اس کا محرک یہی نظریۂ وحدۃ الوجود تھا۔ جمعیت العلماء ہند وحدۃ الوجود کی قائل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے الگ وجود کی قائل نہیں تھی۔ اسی لیے اس نے دو قومی نظریہ کی حامی جماعتوں کی مخالفت کی۔[۴] پاکستان میں جمعیت العلماء ہند کی وکالت اس احسن طریقے پر نہیں ہو سکتی۔

اگر اس موقف کی وضاحت میں جمعیت العلماء ہند کے بانیان ایسے بیانات دیتے جس سے یہ واضح ہوتا کہ واقعی وہ اسی وجہ سے دو قومی نظریہ اور پاکستان کے خلاف تھے تو مناسب تھا۔ وحدۃ الوجود کے قائل تو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور مخالفین ان پر یہاں تک الزام لگاتے ہیں کہ وہ اس بنا پر حضرت مجددِ الفِ ثانی علیہ الرحمہ کے خلاف تھے۔ جو وحدۃ الشہود کے بانی تھے۔ تو چاہیے تو یہ تھا کہ: اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی دو قومی نظریہ کے خلاف ہوتے مگر اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلفا، تلامذہ اور متبعین نے جس شدومد کے ساتھ دو قومی نظریہ کا پرچار کیا وہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ۱۹۲۵ء میں جمعیت العلماء

ہند کے ردّ عمل میں "الجمعیة العالیة المرکزیة" (یعنی آل انڈیا سنی کانفرنس) کی بنیاد ڈالی۔[۵] "الجمعیة العالیة المرکزیة" کی قیادت کو جو بالغ نظری اور بصیرت حاصل تھی، اس کی تصدیق تاریخی حادثات و واقعات سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ قابل قدر ہیں، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ابتدا میں قائد اعظم محمد علی جناح ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے۔ ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں یہ فرمایا کہ "میں طبعی طور پر راسخ کانگریسی ہوں اور کانگریس کی تائید و حمایت میرے لیے باعث اطمینان ہے۔ قوم وار اختلاف کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا"[۶] اس وقت علما اہلِ سنّت اسلام کی بقا اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے مساعی تھے اور مسلمانوں کو دین اسلام کی طرف بڑی دل سوزی کے ساتھ دعوت دے رہے تھے۔ اس حقیقت کا اظہار ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد (انڈیا) کے شماروں کے مطالعے سے بھی ہو جاتا ہے۔

جب قائد اعظم محمد علی جناح نے ہنود کے معاندانہ سلوک اور اسلام کی حقیقت کو پہچانا، اس ماحول میں جہاں علماءِ اہلِ سنّت نے اسلامی فضا پیدا کر دی تھی قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کونسل کے ایک اجلاس میں جو ۱۹۴۰ء میں دہلی (انڈیا) میں منعقد ہوئی۔ اس میں واضح طور پر فرمایا کہ "میرا نصب العین یہ ہے کہ انگریز ہندوستان پر قبضہ رکھنا چاہتا ہے گاندھی جی مسلمانوں پر مسلّط ہونے کے تمنائی ہیں"۔

لیکن ہمیں دونوں کی محکومی منظور نہیں۔ ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ ہم نہ انگریز کی غلامی پر قناعت کر سکتے ہیں نہ ہندو کی غلامی چاہتے ہیں۔ ۱۳ جنوری ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج پشاور میں پاکستان کے مطالبے کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اُصولوں کو آزما سکیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ ہند کی مؤثر وکالت و رہنمائی فرمائی، لیکن یہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ علماءِ اہلِ سنّت نے ان سے بہت پہلے مسلمانانِ ہند کو اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلویؒ نے ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء میں پٹنہ (صوبۂ بہار) کے اجلاس میں، ۱۳۲۱ھ / ۱۹۱۲ء میں رسالہ تدبیر فلاح و نجات و اصلاح کے ذریعہ (جو کلکتہ اور رام پور سے شائع ہوا) اور ۱۹۲۰ء میں رسالہ "المحجتہ الموتمنہ" شائع کر کے مسلمانانِ ہند میں اسلام کا سچا جذبہ پیدا کیا اور یہ سہرا ابھی علمائے اہلِ سنّت ہی کے سر ہے۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد عبد القدیر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم ہند کا تصوّر پیش کیا اور اس سلسلے میں تفصیلی تجاویز سامنے رکھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ ابھی تک ڈاکٹر محمد اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح تقسیم ہند کے تصوّر کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئے تھے۔[۷]

قائد اعظم محمد علی جناح کوئی مذہبی عالم یا صوفی نہ تھے۔ جس ماحول میں پرورش پائی اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ ابتدائی مرحلے میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے کوشش کریں۔ چنانچہ کانگریس میں شریک ہوئے اور ہندو مسلم اتحاد کے لیے بھرپور کوشش کی، لیکن رفتہ رفتہ جب اُنہوں نے ہنود کے ہندی مزاج اور مسلمانانِ ہند کے اسلامی مزاج کو سمجھا تو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کی پھر ڈاکٹر محمد اقبال کے طفیل اسلامی مزاج کے اور قریب آئے تو اسلامی فکر کا وہ دھارا جو حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء)، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماءِ حق سے منتقل ہو کر اقبال تک پہنچا تھا جو قائد اعظم محمد علی جناح کے فکر و شعور میں سرایت کر گیا تھا اور اب وہ قائد جس کے متعلق مسٹر گوپال کرشن گوکھلے (المتوفیٰ ۱۹۱۵ء) نے یہ کہا تھا کہ "وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست علم بردار بنیں گے۔"[۸]

لیکن قائد اعظم محمد علی جناح اسلام کے علم بردار بن کر ایسے اُبھرے کے دیکھتے دیکھتے پورے ہندوستان پر چھا گئے۔ اس کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے لیے بے مثال خدمات انجام دیں۔

مگر اس مرحلے پر یہ غور کرنا ہے کہ وہ کون سی قوت تھی جس نے اسلام کے لیے ہندوستان کی فضا کو سازگار بنایا کہ جب اُنہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسلام اور پاکستان کا نام لیا تو پورے ہندوستان کے مسلمان لپک پڑے۔ ظاہر ہے کہ اتنی عظیم تبدیلی اچانک نہیں ہو سکتی؛ جب کہ ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں ماضی قریب میں وہ کچھ ہو چکا تھا جس کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تاریخ کا صحیح مطالعہ کیا جائے اور تعصبی نظر سے پاک رہ کر دیکھا جائے تو یہ

معلوم ہو گا کہ یہ علمائے اہلِ سنّت ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ اسلامی کو تازہ رکھا اور برِّ صغیر میں اسلامی حکومت کا قیام ممکن ہو سکا۔ اس میں شک نہیں کہ دوسرے مکتبۂ فکر کے علمانے بھی اسلام کی خدمت کی، مگر اس کی نوعیت قطعاً مختلف تھی۔ ان علما میں ایک بڑا نام مولانا شبیر احمد عثمانی کا ہے، جو ایک عرصے تک جمعیت العلماء ہند میں شریک رہے۔ پھر کچھ عرصہ سیاست سے کنارہ کش رہے پھر غالباً ۱۹۴۵ء میں سیاست میں واپس آئے اور تحریکِ پاکستان کی حمایت کی اور پھر دسمبر ۱۹۴۵ء ہی کو اس حمایت سے باز رکھنے کے لیے جمعیت العلماء ہند کے مرکزی قائدین نے ان سے ملاقات کی:

- مولوی حسین احمد مدنی صدر جمعیت علماء ہند
- مفتی کفایت اللہ دہلوی سابق صدر جمعیت علماء ہند
- مولوی حفظ الرحمٰن ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند
- مولوی احمد سعید سابق ناظم اعلیٰ جمعیت علماءِ ہند وغیرھم

اس موقع پر مولوی حفظ الرحمٰن نے یہ الزام لگایا کہ مولوی شبیر احمد عثمانی جو جمعیت علماءِ اسلام سے وابستہ تھے وہ انگریز کے ایما پر بنائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا نے حقائق و شواہد بھی پیش کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اس کے جواب میں مولانا عثمانی نے اتنا فرمایا کہ جو روایت آپ نے بیان کی میں نہ اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب۔ ممکن ہے آپ صحیح کہتے ہیں؟ (مکالمۃ الصدرین ص:۸) پھر آگے چل کر اپنے لیے یہ صراحت فرمائی: میں نے جو رائے پاکستان کے لیے قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے (مکالمۃ الصدرین ص:۹)۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مارچ ۱۹۷۶ء میں ماہنامہ "الرشید" لاہور کا دارالعلوم دیوبند نمبر شائع ہوا ہے، جو تقریباً ۷۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس نمبر میں تقریباً ۷۰ مضامین و مقالات ہیں؛ مگر ایک مضمون بھی دارالعلوم دیوبند اور تحریکِ پاکستان کے عنوان پر نہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماسوائے چند ایک علما کے مسلک دیوبند کا مجموعی کردار پاکستان کے خلاف ہی رہا۔

پاکستان کے معروف صحافی اور اہلِ قلم میاں عبد الرشید نے بھی اپنی انگریزی تصنیف "برِّ صغیر پاک و ہند میں اسلام" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء میں اس مسئلے پر خوب روشنی ڈالی ہے۔

تاریخی واقعہ یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کے حوالے سے اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں کہیں بھی علما و مشائخ بالخصوص اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین ملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے خلفائے کرام و تلامذہ و محبین تک کا ذکر کرنا معیوب سمجھا گیا ہے، جیسا کہ ابھی تحریر کر چکا ہوں۔ بات صرف یہیں آکر ختم نہیں ہوتی بلکہ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفا نے اس وقت کی دینی تحریکاتِ باطلہ بالخصوص وہابیت، دیوبندیت، قادیانیت اور ندویت کی اصلاح کے لیے جو خدمات انجام دیں اُن کے خلاف غلط الزامات لگائے گئے اور مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ مولانا موصوف کی غرض اصلاح تھی۔ بیتے ہوئے واقعات کی تہذیب و ترتیب ہی تاریخ کی بنیاد قرار پاتی ہے۔ یہ جذبات سے عاری ہوتی ہے اس لیے تاریخی حقائق کو نظر انداز کرنا سورج سے آنکھیں ملانے سے زیادہ مشکل کام ہوتا ہے۔ جب بھی تاریخی حقائق کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی وہاں احتجاج بلند ہوا۔ تحریکِ پاکستان کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں لیکن اس کے باوجود اس کی تاریخی ترتیب و تدوین کچھ اس انداز سے ہوئی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک اکثر افراد کی زبان پر شکایت آجاتی ہے۔ اور یہ شکوک و بدگمانیوں کو جنم دے رہا ہے۔

بہر حال اب جبکہ ہم تاریخ کے نازک ترین دوراہے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم تحریکِ پاکستان کے حقائق کو من و عن پیش کریں۔ اور ملت اسلامیہ کو تاریخ کے دوسرے رُخ سے آگاہ کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ ماہنامہ فیضان رضا، فیصل آباد، مارچ ۱۹۷۸ء۔
۲۔ سفر نامہ شیخ الہند، مطبوعہ، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص: ۳۷، مؤلفہ حسین احمد مدنی
۳۔ بیس بڑے مسلمان، مؤلفہ رشید احمد ارشد، ص:۲۷۸۔
۴۔ تحریک پاکستان میں علما کا کردار، صادق قصوری، ۱۹۹۹ء، لاہور۔
۵۔ آل انڈیا سنی کانفرنس، جلال الدین قادری، ص۱۹، ۱۹۸۸ء، لاہور۔
۶۔ مسلم لیگ، خدا بخش اظہر، ص۱۴، ۱۹۴۰ء، لاہور۔
۷۔ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ڈاکٹر مسعود احمد، ص۱۹، ۱۹۸۱ء۔
۸۔ حالات گوکھلے / مظفر حسین خان، مطبوعہ حیدر آباد دکن انڈیا ۱۹۱۹ء۔

✕ ✕ ✕ ✕ ✕

حدائقِ بخشش کا اوّلین ایڈیشن

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (ادارۂ افکارِ حق، بہار، انڈیا)

عندلیبِ چمنستانِ حسّان، امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کب مرتب ہوا؟ اور پہلی بار اس کی اشاعت کب ہوئی؟ اس تعلق سے علامہ شمس بریلوی (ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی) کا خیال ہے کہ دیوانِ رضا، حیاتِ رضا میں ترتیب واشاعت کی منزلوں سے گزر کر منظرِ عام پر نہیں آسکا۔ وہ اپنے اس دعوے کی بنیاد اپنی یاد داشتوں اور اپنے قیامِ بریلی (۱۹۳۲ء تا ۱۹۴۴ء) کی مجلسوں میں اس کا ذکر نہ ہونا قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی دہلی رقمطراز ہیں کہ دیوان مذکور کی اشاعت، صاحب دیوان فاضل بریلوی کی زندگی میں ہی ہوچکی تھی اور کم از کم دوبار ہوئی تھی۔ قیاسات و قرائن کے علاوہ شرر مصباحی کا دعویٰ ترتیب واشاعت اپنی پشت پر دو طاقتور شہادتیں بھی لیے ہوئے ہے۔[1] میرا یہ مضمون ماضی کے جھروکوں سے آپ کو یہ دکھائے گا کہ اس قضیہ کا حقیقی رخ کیا ہے۔ اسے جاننے کے لیے ذرا سی زحمتِ مطالعہ اٹھایئے۔

دینِ حنیف کے مجاہدِ جلیل، اپنے عصر کے ناقد بصیر، فکر رضا کے شہید ناز، شہر عظیم آباد کے رئیس اعظم، "مدرسہ حنفیہ" کے موسس، برکت الزمان، فخر الاقران، علامۃ الدہر قاضی عبد الوحید فردوسی علیل ہوئے، تو بریلی سے امام احمد رضا اور پیلی بھیت سے محدثِ سورتی عیادت کرنے پہنچے۔ ابھی یہ دونوں بزرگانِ ذیشان پٹنہ میں موجود ہی تھے کہ قاضی صاحب موصوف وفات پاگئے۔ امام احمد رضا نے نماز پڑھائی اور محدث سورتی نے ان کے جسدِ خاکی کو قبر میں اتارا۔ یہیں اور اسی موسم سوگوار میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کی ملاقات پہلی بار امام احمد رضا سے ہوئی اور وہ اپنے استاذ علامہ محدث سورتی کی ایما پر رضا کے دامنِ خیر و برکت سے وابستہ ہوئے یعنی بیعت کا شرف حاصل کیا۔[2] یہ ملاقات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی تھی چونکہ رئیس پٹنہ محض ۳۵/ سال کی عمر پاکر اسی سنہ میں انتقال فرما ہوئے۔[3] جمادی الاُخریٰ ۱۳۲۹ھ کو صدر الشریعہ لکھنؤ اور پیلی بھیت ہوتے ہوئے بریلی حاضر ہوئے اور امام احمد رضا کی صحبتِ فیض میں دوماہ رہ کر واپس ہوگئے۔[4] غالباً یہ دوسری ملاقات تھی اور پھر "چند ماہ کے بعد سیر و تفریح کے لیے صدر الشریعہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ امام احمد رضا نے انہیں خط لکھا۔ چنانچہ آپ لکھنؤ سے بریلی حاضر ہوگئے"۔[5]

اس بار صدر الشریعہ بحیثیت مدرس بریلی تشریف لائے تھے۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی لکھتے ہیں "بریلی شریف ۱۳۲۹ھ میں صدر الشریعہ کی آمد مدرسۂ اعلیٰ حضرت "منظر اسلام" میں تدریس ہی کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ بعد میں ان کی دوسری صلاحیتوں کو پرکھ کر امام احمد رضا نے انہیں "جماعت رضائے مصطفیٰ" کے شعبۂ علمیہ کی صدارت اور مطبع اہلِ سنّت کا انتظام سونپ دیا تھا۔"[6] مولانا شہاب الدین کے لفظوں میں: "پیش کاری کے عہدے پر اوّلاً (ملک العلما) مولانا ظفر الدین بہاری منتخب ہوئے، مگر وہ شملہ کی جامع مسجد کے خطیب ہوکر شملہ چلے گئے۔ تو ان کی جگہ مولانا اعظمی (صدر الشریعہ) پیش کاری کے منصب پر فائز ہوئے۔"[7]

صدر الشریعہ اس مرتبہ بریلی میں کب تک رہے اس بات کو ذیل کی عبارت واضح کرتی ہے۔ "مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) اور پٹنہ کے بعد ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء تا ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء تک (صدر الشریعہ) نے منظرِ اسلام میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔"[8] ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی ۱۳۲۱ھ میں بغرض حصول تعلیم بریلی شریف حاضر ہوئے۔[9] شعبان ۱۳۲۵ھ میں وہ تاج فضیلت اور سند وشہادت سے نوازے گئے۔[10] ان کی تدریسی زندگی کا آغاز بھی منظرِ اسلام سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔[11] ۱۳۲۹ھ تک ملک العلما بریلی شریف ہی میں رہے اور اس سنہ کے اواخر میں معززین شملہ کے اصرار وطلب اور اعلیٰ حضرت کے حکم پر عالم وخطیب کی حیثیت سے وہ شملہ چلے گئے۔[12] تب صدر الشریعہ کے ذمّے کم و بیش وہ سارے کام تھے، جو ملک العلما انجام دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ پیش کردہ ماخذوں اور آنے والے حوالوں سے سمجھا جاتا ہے۔

ملک العلما اور صدر الشریعہ کے ذمے اپنے اپنے وقتوں میں تعلیم و تدریس، فتوی نویسی و نقل افتاء، طباعت واشاعت، تقریر و مناظرہ، تصنیف و تالیف اور امام احمد رضا کے مسودات و مخطوطات کی نقل و تبییض کا کام تھا اور یہ سارے کام دونوں افاضل روز گار نے نہایت محنت و محبت اور شعور بصیرت کے ساتھ، امام احمد رضا کے معتمد کل اور مشیر خاص بن کر بخوبی انجام دیے۔ دونوں فیض فتگاں کی زندگیاں علم واخلاص اور حرکت و برکت سے عبارت تھیں۔ فکر رضا کے زلف ورخ سنوارنے میں دونوں عباقرۂ عصر کی خدمات بے مثال ولازوال ہیں خدائے بزرگ وبرتر اپنی رحمتوں کی برکھا سدا برسائے ان کے خاکی شبستانوں پر۔

یہ قدرے طویل تمہید اس لیے اٹھانا پڑی، تاکہ "حدائق بخشش" کی اوّلین اشاعتوں کا پس منظر آئینہ ہو کر سامنے آجائے۔ شرر مصباحی، جو دیوان رضا فاضل بریلوی کی حیات میں شائع ہونے کے قائل ہیں، نے اپنے دعوے کے ثبوت میں صدرالشریعہ کے زیرِ اہتمام شائع شدہ نسخے کو پیش کیا ہے اور اس کے سرورق کی یہ عبارت: "از نتائج طبع سر آمد فصحاء وبلغاء استاذ الشعراء واقف رموز جلیہ وخفیہ کاشف غوامض علمیہ حلال مشکلات علم وفن علامہ زمن مرجع العلما تاج الکملاء محی الملتہ والدین امام الاسلام والمسلمین مولانا مولوی حاجی احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی" پیش کر کے لفظ "مدظلہ العالی" سے نتیجہ اخذ کیا ہے اور فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲/ ص ۲۶۷/ اور ص ۲۹۴ سے دو سوالات وجوابات نقل کیے ہیں جو دونوں کے دونوں مطبوعہ دیوان کے دو اشعار سے متعلق ہیں۔ ان تمام شہادتوں سے انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "حدائق بخشش" حیات امام میں چھپ چکی تھی؛ مگر سنہ طباعت کی انہوں نے کوئی خاص تعیین نہیں کی ہے۔ شاید ان کے پیشِ نظر نسخے میں طباعت کی تاریخ مذکور نہیں ہے۔ ان شاء اللہ آنے والی سطور میں یہ مسئلہ دوپہر کے سورج کی دھوپ سے زیادہ روشن ہو جائے گا۔

بقول شرر مصباحی حیاتِ امام میں، دیوانِ امام دوبار چھپ چکا تھا۔ راقم آثم کی طرف سے ایک بار کا اور اضافہ کیا جاتا ہے۔ "حدائق بخشش"، جس سے ۱۳۲۵ھ کا استخراج ہوتا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۳۲۵ھ میں کلام امام مرتب ہو چکا تھا اور ۱۳۲۵ھ یا ۱۳۲۶ھ ہی میں اس کا پہلا حصہ پہلی بار شائع بھی ہوا تھا۔ پھر اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں نکلا اور یہ دوسرا ایڈیشن ملک العلما کے خصوصی اہتمام وانصرام میں اشاعت پزیر ہوا اور غالب گمان ہی نہیں یقین کامل ہے کہ پہلا ایڈیشن بھی انہیں کے نظم ونگرانی میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا۔ چونکہ ملک العلما ہی ان دنوں امور طبع کے منتظم ومنصرم تھے۔ اس کی وضاحت "حیات اعلیٰ حضرت" میں مرقوم ومسطور ہے: "خطوط پیٹی کی کنجی اعلیٰ حضرت کے پاس ہوتی۔ عصر کی نماز پڑھ کر جب (امام احمد رضا) باہر تشریف رکھتے، تو کنجی مجھے عنایت فرماتے۔ پیٹی کھول کر اس روز کی ڈاک لا کر (میں) حاضر کر دیتا۔ (گوناگوں خطوط گوناگوں حضرات کے سپرد کر دیے جاتے) استفتا تعویذات اور مطبع سے متعلق خطوط بھی میرے حوالے کیے جاتے۔"[۱۳] ملخصاً۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں دیوانِ امام کا دوسرا ایڈیشن چھپا۔ جب "دبدبۂ سکندری" رامپور کے مدیر محترم کی میز پہ پہنچا تو مدیر "دبدبہ سکندری" نے ایک تعارفی نوٹ لکھ کر اپنے پر بہار اخبار میں شائع کیا۔ انہوں نے واضح لفظوں میں لکھا کہ "یہ حصۂ اوّل کی دوسری اشاعت ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک بار شائع ہوا ہے اور طبع اوّل پر اسے بوجوہ ترجیح حاصل ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کی تصحیح فرما کر پاک وصاف کر دیا ہے۔ (ملک العلما) مولوی ظفر الدین صاحب بریلی، محلّہ سوداگران سے ۴ آنے قیمت علاوہ ڈاک محصول مل سکتی ہے۔"[۱۴]

تصانیف رضا کی فہرست اور ان کی کیفیت ونوعیت پر مشتمل، محرم ۱۳۲۷ھ میں ملک العلما نے بعنوان "المجمل المعد دلتا لیفات المجدد" ایک کتاب لکھی، جو "مطبع حنفیہ" پٹنہ میں چھپی۔ یہی نسخہ راقم بے مایہ کے پیش نظر ہے۔ جس کے ص ۳۲ پر "حدائق بخشش" مطبوعہ کتب کی فہرست میں شامل کیا ہے۔[۱۵]

ان بیانات کے اجالوں میں یہ امر بالکل متحقق ہو جاتا ہے کہ امام احمد رضا کی حیات پاک میں زیرِ اہتمامِ ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین رضوی مجموعہ کلام رضا دو مرتبہ مرتب ومطبوع ہو چکا تھا۔ خود امام علام نے اپنا طبع شدہ کلام دیکھا اور تصحیح فرمائی۔ حضور صدرالشریعہ کے اہتمام میں چھپنے والا نسخہ تیسرا ایڈیشن ہے۔ جس کی تاریخ اشاعت شرر مصباحی کے شواہد کی روشنی میں ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۸ھ کا درمیانی

وقفہ متعین ہو گیا ہے۔ مگر یہ وقفہ ذرا طویل ترین ہے۔ اس کی طوالت گھٹانے سے اور گھٹ سکتی ہے۔ مثلاً جودھ پور، راجستھان سے جمادی الاُخریٰ ۱۳۳۷ھ میں امام احمد رضا کی جناب میں ایک سوال آیا، جس میں دیوان رضا کا حوالہ دے کر سوال کیا گیا ہے۔[۱۶] یوں ہی یہ طوالت گھٹ کر اور قریب تر ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ جسے شعبان ۱۳۳۳ھ میں امام احمد رضا سے ایک استفتاء ہوا۔ سائل کو قصیدہ معراجیہ میں لفظ "دولہا" اور "دولہن" کے استعمال میں شرعی شبہہ واقع ہوا، جس کا جواب امام احمد رضا نے بڑا مدلل رقم فرمایا۔[۱۷]

بحمدہٖ تعالیٰ تعین تاریخ کی روشنی ترین دلیل یہ ہے کہ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء کی اشاعت ہے۔ ہفت روزہ "دبدبہ سکندری" کی اس عبارت پر ذرا نظر ڈالیے۔ "حدائق بخشش": دیوان نعت شریف تصنیف لطیف اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ امام اہلِ سنّت حضرت مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب حنفی سنی قادری برکاتی، تیسری بار بہ تصحیح حضرت علامہ مصنف چھپ کر شائع ہوا ہے۔ ہر ایک غزل دل کر تڑپا دینے والی، ہر شعر وجد میں لا نے والا۔ قیمت ۴ر۔"[۱۸]

لیجیے اب "دبدبہ سکندری" کے فاضل مدیر مرحوم کا وہ پورا تعارفی نوٹ، جو سکینڈ ایڈیشن کے متعلق ہے، اپنی آنکھوں سے پڑھ لیجیے۔ جس کو زائد نوّے برسوں سے صفحات دبدبہ سکندری نے اپنی پلکوں پہ سرمہ بنا کر سجا رکھا ہے: "حدائقِ بخشش" خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سر آمد فصحا وبلغا استاذ الشعرا مرجع العلما تاج الکملا محی الملت والدین امام الاسلام والمسلمین حضرت مولانا مولوی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی مدظلہ العالی کے پیارے اور دلچسپ کلام کا پہلا حصّہ جس کا نام آپ اوپر ملاحظہ فرمارہے ہیں، مطبع اہلِ سنّت وجماعت بریلی محلّہ سوداگران سے چھپ کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچا۔ جس کی ایک کاپی مجھے موصول ہوئی ہے۔ یہ حصّہ اب دوسری مرتبہ شائع ہوا ہے۔ جسے حقیقتاً طبع اوّل پر بوجوہ ترجیح مبین ہے۔ اس مرتبہ جو خوبیاں رکھی گئی ہیں وہ محتاج بیان نہیں، لیکن قابل ذکر امر یہ ہے کہ اکثر میلاد خواں حضرات نے اس میں اپنے طور پر تبدیل وتحریف کا کام فرمایا، مگر اعلیٰ حضرت مدظلھم الاقدس نے اس کی تصحیح فرما کر پاک وصاف فرمادیا۔ ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقدّس ومتبرّک نسخے کی ایک ایک جلد اپنے پاس رکھیں۔ جو (ملک العلما) مولوی ظفر الدین صاحب بریلی محلّہ سوداگران سے قیمت ۴ر علاوہ ڈاک محصول مل سکتی ہے۔"[۱۹]

"دبدبۂ سکندری" کے مذکورہ بالا تراشوں نے جہاں یہ واضح کر دیا کہ کلام الامام حیات الامام میں تین بار ترتیب واشاعت کے مرحلوں سے گزر چکا تھا۔ وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا کلام پڑھنا اور سمجھنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں اور یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ۱۹۱۱ء میں جو نسخہ زیرِ اہتمامِ حضرت صدرالشریعہ چھپا، وہ بالیقین تیسری اشاعت ہے۔ اب ہم اپنے اس مضمون کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے سابق صدر شعبہ افتاء شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کر کے ختم کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "تحقیقات" میں لکھتے ہیں: "حدائق بخشش کے دو حصے ۱۳۲۵ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیاتِ مبارکہ میں چھپے۔"[۲۰]

مراجع ومصادر

۱۔ مقدمہ حدائق بخشش، ڈاکٹر شر مصباحی، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی۔
۲۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، صدرالشریعہ نمبر، ص ۴۷۔
۳۔ تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۱۹۷، مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۲ء۔
۴۔ صدرالشریعہ نمبر، اشرفیہ مبارکپور، ص ۵۷۔
۵۔ صدرالشریعہ نمبر، اشرفیہ مبارکپور، ص ۶۷۔
۶۔ صدرالشریعہ نمبر، اشرفیہ مبارکپور، ص ۲۸۰۔
۷۔ صدرالشریعہ نمبر، اشرفیہ مبارکپور، ص ۲۶۹۔
۸۔ صدرالشریعہ نمبر، اشرفیہ مبارکپور، ص ۲۶۴۔
۹۔ حیاتِ ملک العلما، ص ۱۲، مطبوعہ ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء۔
۱۰۔ حیاتِ ملک العلما، ص ۱۳، مطبوعہ ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء۔
۱۱۔ حیاتِ ملک العلما، ص ۱۴، مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء۔
۱۲۔ حیاتِ ملک العلما، ص ۱۴، مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء۔
۱۳۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل، ص ۲۸، مطبوعہ مکتبۂ رضویہ آرام باغ، کراچی۔
۱۴۔ ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور، یکم نومبر ۱۹۰۹ء، شمارہ ۴۰، جلد نمبر ۴۵۔
۱۵۔ المجمل المعدد لتالیفات المجدد، ص ۳۲، مطبع حنفیہ پٹنہ۔
۱۶۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ششم، ص ۲۰۸، مطبوعہ بمبئی۔
۱۷۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ششم، ص ۱۹۸ تا ص ۲۰۲، مطبوعہ بمبئی۔
۱۸۔ ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور، ۱۱ر جون ۱۹۱۱ء، شمارہ ۲۵، جلد نمبر ۴۷۔
۱۹۔ ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور، یکم نومبر ۱۹۰۹ء، شمارہ ۴۰، جلد نمبر ۴۷۔
۲۰۔ تحقیقات، ص ۱۰۰، مطبوعہ دائرۃ البرکات گھوسی مؤ، ۱۹۹۹ء۔

جانیے

از افادات: امام احمد رضا محدث بریلوی
ترتیب: فرحان احمد قادری (مصطفوی شریعہ کالج)

Abstract: Imam Ahmad Raza was a popular religious figure among the public and ulema. Ulema, Sufi masters and judges consulted him for rulings. Likewise masses approached him for solutions to daily-life affairs. This article presents a collection of Raza's rulings on those common questions from vol.24 (new edition) of *Fatawa-e Razavia*.

امام احمد رضا مرجع خواص و عوام تھے۔ آپ کے زمانے کے علما و مشائخ، والیانِ ریاست و جج صاحبان آپ کی طرف مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اپنے روز مرّہ کے معاملات میں آپ سے شرعی احکام معلوم کرتے۔ معارف رضا میں ان فتاویٰ کو "جانیے" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس ماہ کا انتخاب فتاویٰ رضویہ کی تخریج شدہ جلد ۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بطورِ حوالہ متعلقہ صفحہ نمبر (قوسین) میں درج کر دیے گئے ہیں۔

عبدالنبی نام رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

اپنے آپ کو عبدالنبی کہنا جائز ہے مگر نام عبداللہ رکھا جائے۔ (ص:۶۷۲)

احمد بخش، محمد بخش، نبی بخش، رسول بخش، حسین بخش، پیر بخش، مدار بخش، وغیرہ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

یہ نام شرعاً درست ہیں، ان میں معاذاللہ کسی طرح کوئی شرک نہیں، نہ شرع سے کہیں ممانعت ہے؛ بلکہ قرآن عظیم سے اس کا جواز ثابت ہے۔ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مریم سے کہا: اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں اس لیے کہ میں تم کو ایک ستھرا بیٹا دوں ۔(القرآن الکریم، سُوۡرَةُ مَرۡيَم، آیت ۱۹)

قرآنِ عظیم سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبریل بخش بتا رہا ہے۔ پھر بخش معنٰی عطا کے لیے متعین نہیں بمعنی حصّہ وبہرہ بھی کثیر الاستعمال ہے۔ مع ہذا علمائے دین تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ملحد کہے انبت الربیع البقل (بہار نے سبزہ اگایا۔) تو اس کے الحاد پر محمول ہے، اور اگر مسلم کہے تو یقینا تجوز (جائز) ہے اور اس کا اسلام ہی قرینہ بس ہے کما نص علیہ فی الفتاوٰی وغیرھا (جیسا کہ فتاوٰی اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں اس کی صراحت کر دی گئی۔) (ص:۶۷۳)

کیا یہ بات کہنا ٹھیک ہے "رسول اللہ ﷺ جب تک نہ بخشیں گے خدائے پاک نہ بخشے گا"؟

یہ مضمون کہ جب تک رسول اللہ ﷺ نہ بخشیں گے اللہ عزوجل نہ بخشے گا۔ اس قائل سے پہلے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ارحم الراحمین نہ بخشاید
بے رضائے تو یا رسول اللہ

(سب سے زیادہ رحم وکرم فرمانے والا (اللہ تعالیٰ) نہ بخشے گا، یارسول اللہ! ﷺ جب تک آپ کی مرضی نہ ہو گی۔)

حقوق العباد میں کہا جاتا ہے کہ جب تک صاحب حق نہ بخشے اللہ عزوجل نہ بخشے گا، اس کے یہ معنٰی کسی کے وہم میں نہیں آسکتے کہ معاذاللہ اس کی مغفرت پر رب العزت قادر نہیں یا مغفرت ذنوب میں کوئی اس کا شریک ہے، بندوں کا مالک بھی وہی ہے اور بندوں کے حقوق کا مالک بھی وہی ہے؛ مگر صاحبِ حق کی دل داری کے لیے اس کی مغفرت اس کے بخشنے پر موقوف رکھی پھر وہ دل داری کہ اسے اپنے حبیب ﷺ کی منظور ہے اس کی مقدار کا جاننا کس کا مقدور ہے۔ صحیح بخاری میں ہے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کرتی ہیں "اری ربك یسارع فی هواك" میں حضور کے رب کو دیکھتی ہوں کہ حضور کی خواہش میں شتابی فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری)

حضور اقدس ﷺ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے اور مومنین پر بالخصوص کمال مہربان ہیں رؤف رحیم ہیں ان کا مشقت میں پڑنا ان پر گراں ہے ان کی بھلائیوں پر حریص ہیں جیسے کہ قرآن عظیم ناطق: لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ۔ بیشک تمہارے پاس تمہاری ہی جانوں میں سے (ایک عظیم الشان) رسول تشریف لائے کہ تمہارا مشقت میں پڑنا انہیں ناگوار گزرتا ہے، وہ تمہاری (اصلاح کی) بہت چاہت

اور حرص رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں پر بڑی شفقت اور رحم فرمانے والے ہیں۔(القرآن الکریم، سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ، آیت۱۲۸)

تمام عاصیوں کی شفاعت کے لیے تو وہ مقرر فرمائے گئے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ۔ (اور اپنی شان کے خلاف امور کے لیے استغفار کیجیے (یعنی طلبِ بخشش کیجیے) اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی۔) (القرآن الکریم، سُوْرَۃُ مُحَمَّد، آیت۱۹) کیا وہ ان میں کسی کی بخشش نہ چاہیں گے؟ کیا مسلمان کا مشقّت میں پڑنا ان پر گراں نہ ہوگا؟ یہ تو نصّ آیت کے خلاف ہے، ضرور وہ کہ جس کا بخشنا حضور نہ چاہیں گے وہ ہوگا جو مسلمان نہیں، اور جو مسلمان نہیں اللہ اسے نہ بخشے گا۔(ص:۶۷۴ تا ۶۷۵)

جو شخص اپنا خطاب اپنی جسمانی وضع اپنا لباس اپنے ضروری دیگر اسباب مثل ہندوؤں کے رکھے اور نماز کا بھی پابند نہ ہو ایسا شخص عالم کہلائے گا یا مصداق من تشبّہ بقوم فھو منھم (جو کوئی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ اسی میں شمار ہے۔) کا ہوگا؟

خطاب ولباس ووضع اسباب میں کفّار سے مشابہت ممنوع ہے اور عالم ہو کر ایسا کرے تو اور سخت معیوب ہے مگر فھو منھم (تو وہ انہی میں سے ہے۔) اس کے لیے ہے جو کفار کے دینی شِعار میں بالقصد معاذ اللہ اس کی پسند کے طور پر کی جائے۔(ص:۶۷۵)

علی جان، نبی جان، محمد جان، محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد، محمد یٰسین، محمد طٰہٰ، غفور الدین، غلام علی، غلام حسین، غلام غوث، غلام جیلانی، ہدایت علی اس طرح کے نام رکھنا

محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد ﷺ پر بے شمار درودیں، یہ الفاظِ کریمہ حضور ہی پر صادق اور حضور ہی کو زیبا ہیں، افضل صلوات اللہ واجل تسلیمات اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ۔ دوسرے کے یہ نام رکھنا حرام ہیں کہ ان میں حقیقۃً اِدِّعائے نبوت نہ ہونا مسلّم ورنہ خالص کفر ہوتا؛ مگر صورتِ ادعا ضرور ہے اور وہ بھی یقیناً حرام و محظور (ممنوع) ہے۔

اور یہ زعم کہ اَعلام (ناموں) میں معنیٰ اوّل ملحوظ نہیں ہوتے، نہ شرعاً مسلّم، نہ عرفاً مقبول۔ معنیٰ اوّل مراد نہ ہونے میں شک نہیں مگر نظر سے محض ساقط ہونا بھی غلط ہے، احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت کہ رسول اللہ ﷺ نے بکثرت اسما، جن کے معنیٰ اصلی کے لحاظ سے کوئی برائی تھی تبدیل فرمادیئے۔

جامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ برے نام کو بدل دیتے۔(جامع الترمذی، ابواب الادب)

سنن ابی داؤد میں ہے نبی ﷺ نے عاصی وعزیز وعتلہ وشیطان وحکم وغراب وحباب وشہاب نام تبدیل فرمادیے، قال ترکت اسانیدھا للاختصار (امام ابو داؤد نے فرمایا میں نے اختصار کے لیے ان کی سندیں چھوڑیں۔) (سنن ابی داؤد، کتاب الادب)

اصرم کا نام بدل کر زرعہ رکھا (اسے اسامہ بن اخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔) (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسم القبیح)

عاصیہ کا نام جمیلہ رکھا (اسے مسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔) (صحیح مسلم، کتاب الادب، باب تغییر الاسم القبیح)

برّہ کا نام زینب رکھا اور فرمایا: لاتزکوا انفسکم اللہ اعلم باھل البر منکم۔ اپنی جانوں کو خود اچھا نہ بتاؤ خدا خوب جانتا ہے کہ تم میں نیکوکار کون ہے۔(اسے مسلم نے زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔) (صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

برّہ کے معنی تھے زنِ نیکوکار، اسے خودستائی بتا کر تبدیل فرمایا اور ارشاد فرماتے ہیں ﷺ: بے شک تم روزِ قیامت اپنے اور اپنے والدوں کے نام سے پکارے جاؤ گے تو اپنے اچھے نام رکھو۔(اسے احمد اور ابو داؤد نے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسندِ جیّد روایت کیا۔) (سنن ابی داؤد، کتاب الادب) (مسند احمد بن حنبل، عن ابی الدرداء)

اگر اصلی معنیٰ بالکل ساقط النظر ہیں تو فلاں نام اچھا فلاں برا ہونے کے کیا معنیٰ، اور تبدیل کی کیا وجہ، اور خودستائی کہاں، مسمّٰی پر دلالت کرنے میں سب یکساں۔ مع ھٰذا، انہیں لوگوں سے پوچھ دیکھیے کیا اپنی اولاد کا نام شیطان ملعون، رافضی خبیث، خوک (سور) وغیرہ رکھنا گوارا کریں گے؟ ہرگز نہیں تو قطعاً معنیٰ اصلی کی طرف لحاظ باقی ہے پھر کس منہ سے اپنے آپ اور اپنی اولاد کو نبی کہتے اور کہلواتے ہیں؟ کیا کوئی مسلمان اپنا یا اپنے بیٹے کا رسول اللہ یا خاتم النبیین یا سید المرسلین نام رکھنا روا رکھے گا؟ حاشا وکلا، پھر محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد کیوں کر روا ہوگیا، یہاں تک کہ بعض خدا نا ترسوں کا نام نبی اللہ سنا ہے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، کیا رسالت وختم نبوت

کا اِدّعا حرام ہے اور نری نبوّت کا حلال، مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے ناموں کو تبدیل کر دیں

هیچ پسند دخرد جان فروز
تاجِ شهی برسرِ کفش دوز

(عقل، جان کو روشن و منور کرنے والی اس بات کو کب گوارا کرتی ہے کہ شاہی تاج ایک معمولی کفش دوز (موچی) کے سر پر سجایا جائے۔)

عجب نہیں کہ ایسی علیل تاویل ذلیل تخییل والے شدہ شدہ اللہ عزوجل یا الٰہ العالمین نام رکھنے لگیں کہ آخر علَم میں اصلی معنٰی تو ملحوظ نہیں والعیاذ باللہ رب العالمین (اللہ تعالیٰ کی پناہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔) اور نہ بھی رکھیں تو اس نام رکھنے کا جواز تو انہیں خواہی نخواہی ماننا ہوگا، جو تقریر محمد نبی کے جواز میں گھڑیں گے بعینہٖ وہی اللہ عزوجل نام رکھنے کے جواز میں جاری ہوگی، اصلی معنٰی وہاں مراد نہیں تو یہاں بھی نہیں وہ بے لحاظ معنٰی تبرّکاً کیوں نہ جائز ہوگا؟ آخر نامِ الٰہی میں نامِ نبی سے زیادہ ہی برکت ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت بجز اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ بزرگ شان کی توفیق کے کسی میں نہیں)

یونہی نبی جان نام رکھنا نامناسب ہے۔ اگر جان ایک کلمہ جداگانہ بنظر محبت زیادہ کیا ہوا جانیں جیسا کہ غالب یہی ہے جب تو ظاہر اِدّعائے نبوّت ہو اور اگر ترکیبِ مقلوب سمجھیں یعنی جان نبی، تو یہ ترکیبِ خودستائی میں برہ سے ہزار درجے زائد ہو، نبی ﷺ نے اسے پسند نہ فرمایا یہ کیوں کر پسند ہو سکتا ہے یہاں تبدیل میں کچھ بہت حرج بھی نہیں ایک "ہ" بڑھانے میں گناہ سے بچ جائے گا اور اچھا خاصہ جائز نام پائیے گا۔ محمد نبیہ، احمد نبیہ، نبیہ احمد، نبیہ جان کہا اور لکھا کیجیے۔ نبیہ بمعنی بیدار ہوشیار ہے۔ علی جان، محمد جان کا جواز تو ظاہر کہ اصلی نام علی، محمد ہے اور جان بنظر محبت زیادہ ہے؛ یونہی **یٰسین وطٰہٰ** نام رکھنا منع ہے کہ اسمائے الٰہیہ واسمائے مصطفیٰ ﷺ سے ایسے نام ہیں جن کے معنٰی معلوم نہیں، کیا عجب کہ ان کے وہ معنٰی ہوں جو غیر خدا اور رسول میں صادق نہ آسکیں تو ان سے احتراز لازم، جس طرح نامعلوم المعنیٰ رقیہ (جھاڑ پھونک کرنے والا) منتر جائز نہیں ہوتا کہ مبادا کسی شرک وضلال پر مشتمل ہو۔

امام ابو بکر ابن العربی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

اشہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ کوئی شخص بھی یٰس نام نہ رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہ نادر کلام ہے، یہ اس لیے کہ بندے کے لیے جائز ہے کہ رب کے نام پر اپنا نام رکھے جبکہ اس میں وہ معنٰی پایا جائے جیسے عالم، قادر وغیرہ، اور امام مالک نے یہ نام رکھنے سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ ان اسما سے ہے، جن کے معنٰی معلوم نہیں، ہو سکتا ہے اس کا وہ معنٰی ہو جو رب تعالیٰ کے لیے خاص اور منفرد ہو، لہٰذا مناسب نہیں کہ یہ نام رکھا جائے جبکہ اس کے ممنوع معنٰی معلوم ہی نہ ہوں پس نظر اور احتیاط کا تقاضا یہی کہ نام رکھنے سے منع کیا جائے۔ (نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض، بحوالہ ابو بکر ابن العربی)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی مصری نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں اسے نقل کر کے فرماتے ہیں: وھو کلام نفیس (یہ ایک نفیس اور شاندار کلام ہے۔) (نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض)

فقیر نے اس کے ہامش (حاشیہ) پر لکھا: بے شک مجھ پر اس معنٰی کی بعینہٖ ممانعت ظاہر ہوگئی ہے، لیکن اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نام نہ رکھے جانے کے حق میں ہوں کہ یہ حضور ﷺ کا نام مبارک ہے اور ہم اس کے معنٰی سے واقف نہیں۔ ہو سکتا ہے اس کا کوئی ایسا معنٰی ہو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے خاص ہو اور آپ کے سوا کسی دوسرے کے لیے اس کا استعمال درست نہ ہو۔ شاید یہ وجہ پہلی وجہ سے زیادہ مناسب ہے، اس لیے اس لفظ کا حضور علیہ السلام کے لیے بطورِ مقدّس نام کے ہونا زیادہ ظاہر اور مشہور ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کوئی ایسا معنٰی نہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ جلیل القدر منفرد ہو، لیکن (اس راز کو) اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ (حاشیہ امام احمد رضا خاں علیٰ نسیم الریاض)

بعینہٖ یہی حال اسم **طٰہٰ** کا ہے والبیان البیان والدلیل الدلیل (بیان وہی سابقہ ہے اور دلیل بھی وہی مرقوم ہے۔) لفظ پاک محمد ان میں شامل کر دینا ممانعت کی تلافی نہ کرے گا کہ یٰس وطٰہٰ اب بھی نامعلوم المعنیٰ ہی رہے؛ اگر وہ معنٰی مخصوص بذاتِ اقدس ہوئے تو محمد ملانا ایسا ہوگا کہ کسی کا نام رسول اللہ نہ رکھا محمد رسول اللہ رکھا، یہ کب حلال ہو سکتا ہے وھذا کلہ ظاھر جدًا (اور یہ تمام خوب ظاہر ہے۔)، یوں ہی **غفور الدین** بھی سخت قبیح وشنیع ہے، غفور کے معنی مٹانے والا،

اللہ عزوجل غفورِ ذنوب ہے یعنی اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے ذنوب (گناہ) مٹاتا، عیوب چھپاتا ہے؛ تو غفور الدین کے معنٰی ہوئے دین کا مٹانے والا، یہ ایسا ہوا جیسے شیطان کا نام رکھنا جسے نبی ﷺ نے تبدیل فرمادیا، ہاں دین پوش تقیہ کوش یہ ایسا ہوا جیسے رافضی نام رکھنا۔

بہر حال شدید شناعت پر مشتمل ہے اس سے تو عاصیہ نام بہت ہلکا تھا جسے نبی کریم ﷺ نے تغیر (تبدیل) فرمادیا کہ معاصی کا عرفاً اطلاق اعمال تک ہے اور دین پوشی کی بلا ملّت وعقائد پر، والعیاذ باللہ رب العالمین (اللہ تعالیٰ کی پناہ جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔) حدیث میں ہے: الفال موکل بالمنطق (فال بولنے کے حوالے کی گئی۔) (الاسرار المرفوعۃ، حدیث ۶۳۸)

بعض برے ناموں کی تبدیل کا یہی منشا تھا کما ارشد الیہ غیر ما حدیث (جیسا کہ بہت سی احادیث نے اس کی رہنمائی فرمائی۔) مولانا قاری مرقاۃ میں نقل فرماتے ہیں: الاسماء تنزل من السماء۔ نام آسمان سے اُترتے ہیں، یعنی غالباً اسم و مسمّٰی میں کوئی مناسبت غیب سے ملحوظ ہوتی ہے، (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

اہل تجربہ نے کہا ہے: ع مزن فال بد کاورد حال بد (بری فال مت نکالو اس لیے کہ وہ برا حال لائے گی۔) فقیر نے بچشم خود ایسے قبیح ناموں کا سخت برا اثر پڑتے دیکھا ہے بھلے چنگے سنّی صورت کو آخر عمر میں دین پوش ناحق کوش ہوتے پایا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں اے طاقت وزور والے، اے بے حد رحم فرمانے والے، اے ہمیشہ رحم کرنے والے، اے زبردست ذات (سب پر غالب)، اے (گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والے)، اور انہیں معاف فرمانے والے (مالک)، ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود وسلام اور برکات نازل فرما اور ان کی آل، اولاد اور ساتھیوں پر بھی، اور ہمیں اپنے دینِ حق پر استوار رکھ جو دین تو نے اپنے انبیائے کرام اور رسولانِ عظام اور ملائکۂ کرام کے لیے پسند فرمایا تا آنکہ ہم اسی دین پر قائم رہتے ہوئے تیرے ساتھ جاملیں اور ہمیں ظاہر باطن (کھلے چھپے) فتنوں، مصیبتوں اور ابتلاؤں سے عافیت عطا فرما اور ہمارے آقا حضرت محمد کریم پر رحمت وبرکت اور سلام نازل فرما، ان کے طفیل ہمارے عجز اور فاقہ میں ہماری حمایت اور مدد فرما اے سب سے بڑے رحم کرنے والے، آمین، درود وسلام ہو شفیع کریم کی ذات اقدس پر اور ان کی تمام آل، اولاد اور ساتھیوں پر۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، آمین۔ (ص:۶۷۷ تا ۶۸۳)

نظام الدین، محی الدین، تاج الدین وغیرہ نام رکھنا کیسا؟

نظام الدین، محی الدین، تاج الدین اور اسی طرح وہ تمام نام جن میں مسمّٰی کا معظم فی الدین بلکہ معظم علی الدین ہونا نکلے جیسے شمس الدین، بدرالدین، نورالدین، فخرالدین، شمس الاسلام، بدرالاسلام وغیر ذٰلک، سب کو علماءِ اسلام نے سخت ناپسند رکھا اور مکروہ وممنوع رکھا، اکابر دین قدست اسرارھم کہ امثال اسلامی سے مشہور ہیں، یہ ان کے نام نہیں القاب ہیں کہ ان مقاماتِ رفیعہ تک وصول کے بعد مسلمین نے توصیفاً انہیں ان لقبوں سے یاد کیا، جیسے شمس الائمہ حلوائی،۔ فخر الاسلام بزدوی، تاج الشریعۃ، صدرالشریعۃ، یونہی محی الحق والدین حضور پر نور سیدنا غوث اعظم، معین الحق والدین حضرت خواجہ غریب نواز، وارث النبی سلطان الہند حسن سنجری، شہاب الحق والدین عمر سہروردی، بہاؤالحق والدین نقشبند، قطب الحق والدین بختیار کاکی، شیخ الاسلام فرید الحق والدین مسعود، نظام الحق والدین سلطان الاولیاء محبوب الٰہی، محمد نصیر الحق والدین چراغ دہلوی محمود وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ونفعنا ببرکاتہم فی الدنیا والدین۔

حضور نور النور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقبِ پاک خود روحانیت اسلام نے رکھا جس کی روایت معروف ومشہور اور بہجۃ الاسرار شریف وغیرہ کتب ائمہ وعلما میں مذکور، حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: فلاتزکوا انفسکم (پس آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بناؤ۔) (القرآن الکریم)

فصول عمادی میں ہے: لایسمیہ بما فیہ تزکیۃ۔ کوئی اس نام کے ساتھ نام نہ رکھے جس میں تزکیہ کا اظہار ہو۔ (ردالمحتار بحوالہ فصول العمادی کتاب الحظر والاباحۃ)۔ (ص:۶۸۴)

یاالٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو
حدائقِ بخشش

خلیفۂ امام احمد رضا۔ مبلغِ اسلام شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی

ندیم احمد ندیم قادری نورانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

مبلّغِ اسلام شاہ احمد مختار میرٹھی کا حسب و نسب

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مجدّدِ دین و ملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل و محدّث بریلوی کے جلیل القدر شاگرد و خلیفہ اور سابق صدر جمعیت علمائے پاکستان قائدِ ملّتِ اسلامیہ مبلّغِ اسلام سیّدی و مرشدی حضرت علامہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی کے تایا ابا مبلّغِ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ امام الدین احمد مختار صدیقی میرٹھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم) نجیب الطرفین صدّیقی تھے، یعنی حسب (ماں کی طرف سے) اور نسب (باپ کی طرف سے) دونوں ہی اعتبار سے صدیقی تھے۔ (ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی، مجلہ "عظیم مبلّغِ اسلام"، ص ۵۵)

صدّیقِ اکبر اور معجزۂ رسول اللہ ﷺ

حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ یارِ غارِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق (خلیفۂ رسول) کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاہما) کی اولاد سے تھے (حیاتِ اسماعیل، ص ۲۸)۔ حضرت محمد بن ابو بکر صدّیق واقعۂ غارِ ثور کے بعد پیدا ہوئے تھے، جس میں دورانِ خدمتِ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدّیق کے پاؤں مبارک کے انگوٹھے میں سانپ نے ڈس لیا تھا، جس کا اثر خاتم الانبیا ﷺ کے لعابِ دہنِ مبارک کے معجزے سے زائل ہوا تھا؛ لیکن پھر وصال سے پہلے اُس زہر کا اثر لوٹ آیا اور آپ کی وفات کا سبب بنا (مشکوٰۃ شریف، باب مناقب ابی بکر، فصلِ ثالث، ص ۵۵۶)؛ یعنی حضرت صدّیقِ اکبر کو شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ اس سانپ کے ڈسنے کا نشان تا حیات حضرت ابو بکر صدّیق کے انگوٹھے میں رہا اور آپ کے بیٹے محمد کے پاؤں میں منتقل ہوتا ہوا، آپ کی اولاد میں آج بھی وہ یادگار نشان باقی ہے۔

چنانچہ مفسّرِ شہیر حکیم الامّت حضرت علامہ مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشکوٰۃ شریف کی اِس متذکرۂ بالا حدیثِ مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "بعض صالحین کو فرماتے سنا گیا کہ جو شیخ صدّیقی حضرت محمد بن ابو بکر کی اولاد سے ہیں، انھیں سانپ یا تو کاٹتا نہیں، اگر کاٹے تو اثر نہیں کرتا، اس لعاب شریف کا اثر ہے اور ان کی اولاد کے پاؤں کے انگوٹھے میں سیاہ تل ہوتا ہے، حتّٰی کہ اگر ماں باپ دونوں کی طرف سے شیخ صدیقی ہو تو دونوں پاؤں کے انگوٹھوں میں یہ تل ہوگا۔ میں نے بہت صدیقی حضرات کے پاؤں کے انگوٹھے میں یہ تل دیکھے ہیں۔" (مرآۃ شرح مشکوٰۃ، جلد ۸، ص ۳۵۹)

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی مندرۂ بالا تحریر کے متعلّق حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم قادری رضوی (سکھر) مدّظلہ العالی فرماتے ہیں: "میں نے جب یہ تحریر قائدِ اہلِ سنّت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی علیہ الرحمہ کے سامنے سنائی تو حضرت قائدِ اہلِ سنّت نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت مفتی صاحب مشکوٰۃ شریف کی شرح کے دوران یہ عبارت لکھ رہے تھے، اُس وقت مفتی صاحب گجرات (پاکستان) سے کراچی میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ اپنے پاؤں کا انگوٹھا دکھاؤ؛ مفتی صاحب کے حکم پر میں نے اپنے پاؤں کے انگوٹھے پر تل کا نشان دکھا دیا۔" (مفتی محمد ابراہیم قادری: تیسرے عرسِ نورانی سے خطاب، کراچی، دسمبر ۲۰۰۶ء)

بعد الغاری صدیقی

حضرت علامہ احمد مختار "بعد الغاری صدیقی" تھے۔ چنانچہ حضرت محمد بن ابی بکر کے واقعۂ غار کے بعد پیدا ہونے سے متعلّق مولانا محمد آصف خان قادری علیمی لکھتے ہیں: "اِسی نسبت سے حضرت محمد بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد "بعد الغاری صدّیقی" یعنی واقعۂ غار کے بعد والے صدّیقی کہلاتی ہے۔" (ماہنامہ معارفِ رضا کراچی، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۳۵)

آباواجداد کی مدینۂ منورہ سے ہجرت

حضرت علامہ احمد مختار صدیقی کے آباواجداد میں سے کچھ لوگ مدینۂ منورہ / عرب سے دوسرے علاقوں میں منتقل ہوتے ہوئے ریاستِ فرغانہ کے شہر خجند پہنچے، جہاں سے آپ کے مورثِ اعلیٰ (اوپر کے جدِّ

امجد) حضرت مولانا قاضی حمید الدین صدیقی خجندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جو ظہیر الدّین محمد بابر بادشاہ کی طرف سے بڑے اعلیٰ منصب پر فائز تھے، ۱۵۲۵ء میں بابر بادشاہ کے ہم راہ جہاد فی سبیل اللہ کے ارادے سے ہندوستان تشریف لائے اور قصبۂ لاوڑ، ضلع میرٹھ میں سکونت اختیار کی، جہاں اس خاندان کی آٹھ پشتیں گزریں۔(حیاتِ اسماعیل، ص۲۸ تا۲۹؛ تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۴)

شجرۂ نسب

قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ نے ایک سوال کے جواب میں خود کو حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتالیسویں میں پشت میں بتایا ہے(مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ویڈیو کیسٹ، ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء)، جس کی تائید اُن کے چھوٹے بھائی حضرت حامد ربّانی صدّیقی عرف ربّانی میاں مدّ ظلہ العالی کی ایک تقریر سے بھی ہوتی ہے، جس میں ربّانی میاں نے فرمایا": میرے والد(حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدیقی کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی) حضرت ابو بکر صدیق کے بعد سینتیسویں نمبر(۳۷ ویں پشت) میں تھے اور نورانی بھائی اڑتیسویں نمبر پر۔"[عرسِ علیمی سے خطاب، کچھی میمن مسجد، صدر، کراچی، ۲۲/ذی الحجہ (تئیسویں شب) ۱۴۳۲ھ، بعدعشا] اس انٹرویو اور تقریر کا خلاصہ و تطبیق یہ ہے کہ حضرت شاہ عبد العلیم صدیقی اور اُن کے بڑے بھائی حضرت احمد مختار صدیقی حضرت ابو بکر صدیق کے بعد سینتیسویں اور حضرت ابو بکر کو ملا کر اڑتیسویں میں پشت میں تھے اور حضرت شاہ احمد نورانی حضرت ابو بکر کو ملا کر انتالیسویں اور حضرت ابو بکر کے بعد اڑتیسویں پشت میں تھے۔

مولانا محمد اسماعیل میرٹھی علیہ الرحمہ(متوفّٰی ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء) کے فرزند محمد اسلم سیفی کی تصنیف "حیاتِ اسماعیل" میں درج شدہ معلومات کی روشنی میں، حضرت مولانا قاضی صوفی حمید الدین صدیقی خجندی علیہ الرحمۃ تک، مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی کا شجرۂ نسب یہ ہے":شاہ احمد مختار بن شاہ عبد الحکیم جوشؔ / حکیمؔ بن شیخ پیر بخش بن شیخ غلام احمد بن مولانا محمد باقر بن مولانا محمد عاقل بن مولانا محمد شاکر بن مولانا عبد اللطیف بن مولانا یوسف بن مولانا داؤد بن مولانا احمد بن مولانا قاضی صوفی حمید الدین صدیقی خجندی(رحمۃ اللہ علیہم)۔"(حیاتِ اسماعیل، ص ۳۰)

مذکورۂ بالا انٹرویو میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اُن کے پاس شجرۂ نسب محفوظ ہے۔

دادا حضور اور دادی صاحبہ

حضرت احمد مختار کے دادا حضور شیخ پیر بخش(متوفّٰی ۷/ دسمبر ۱۸۷۶ء)، جن کا تاریخی نام "مظہر اللہ(۱۲۱۱ھ)" تھا، ۱۴/ جولائی ۱۸۳۸ء کو مستقل طور پر میرٹھ میں مقیم ہوگئے تھے(حیاتِ اسماعیل، ص ۳۲)۔ حضرت احمد مختار کی دادی صاحبہ (متوفّاۃ: ۱۹۰۱ء) نے سو برس کی عمر پائی۔ آپ حضرت سیّد غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کی مرید اور حضرت مخدوم شیخ فخر الدین اصفہانی چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی اولاد سے تھیں۔ شیخ فخر الدین چشتی علیہ الرحمہ اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت میں ہندوستان تشریف لائے تھے؛ آپ کے صاحب زادے حضرت شیخ شہاب الدین اصفہانی چشتی کو شہنشاہ جہاں گیر کے شاہی فرمان کے مطابق جاگیر عطا ہوئی تھی۔ آپ کی درگاہ شریف سے متّصل جنوبی جانب ایک مسجد "مخدوم صاحب کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔["حیاتِ اسماعیل(مع کلیاتِ اسماعیل)"، ص ۳۲]

شاہ عبد الحکیم جوشؔ / حکیمؔ صدّیقی اور مولانا اسماعیل میرٹھی

حضرت شیخ پیر بخش کے تین صاحبزادے شیخ غلام نبی صدیقی(ولادت: ۱۸۲۲ء)، علامہ شاہ محمد عبد الحکیم جوشؔ / حکیمؔ صدّیقی میرٹھی (ولادت:۱۸۳۰ء)، مولانا اسماعیل صدیقی میرٹھی (ولادت:۱۸۴۴ء) اور ایک صاحبزادی(ولادت: ۱۸۲۸ء) تھیں (حیاتِ اسماعیل، ص ۳۲)، جن میں سے حضرت احمد مختار صدیقی کے والدِ ماجد حضرت نجیبِ مصطفٰی شاہ محمد عبد الحکیم صدیقی (متوفّٰی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) اور عمّ صغیر(چچا) مولانا اسماعیل میرٹھی (متوفّٰی:۱۹۱۷ء)رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے بڑی شہرت پائی۔ حضرت احمد مختار صدیقی کے والدِ ماجد میرٹھ کی شاہی مسجد "التمش" کے خطیب ہونے کے علاوہ ایک بہترین مدرّس اور ایک اچھے نعت گو شاعر بھی تھے، "جوش" اور "حکیم" تخلّص کرتے تھے۔ معروف شاعر و ادیب حضرت مولانا محمد اِسماعیل میرٹھی، جن کی کتب یوپی اردو بورڈ کے نصاب میں شامل تھیں(ڈاکٹر فریدہ احمد: مجلہ "عظیم مبلغِ اسلام"، ص۵۵) اور جن کی نظمیں آج بھی پاکستان کی درسی کتب

میں شامل ہیں، شاہ عبد الحکیم صدیقی کے چھوٹے بھائی تھے۔ جناب امداد صابری صاحب اِن دونوں بھائیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ دونوں حضرات سخن سنج، اہلِ سخن، اہلِ قلم، ادیب، مصنّف و مؤلّف اور استادِ زمانہ تھے؛ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے علم بردار تھے؛ میرٹھ میں فیضِ عام کالج اور مسلم گرلز ہائی اسکولز قائم کیے۔ چنانچہ مولانا نذیر احمد خجندی نے اپنے بڑے بھائی جناب احمد مختار صدیقی کے منظوم حالاتِ زندگی "مخدومِ خجندی" کے نام سے تالیف کیے ہیں، جس میں اُنھوں نے اپنے بزرگوں کے حالات اور اُن کی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے؛ فرماتے ہیں:

مجاہد فی سبیل اللہ، ولی اور وہ بھی ماں جائے
جو سوئے ہند بابر شاہ کے ہمراہ تھے آئے
وہ مولانا حمید الدّین[1] خجندی مورثِ اعلیٰ
جنھوں نے فضلِ باری سے بہت کچھ مرتبے پائے
رہے وہ سیکری میں اور احمد اُن کے اِک بیٹے
سُنا ہے قصبۂ لاوڑ میں خود تشریف تھے لائے
گزاریں آٹھ پشتیں اس جگہ پھر شہر میرٹھ میں
جنابِ مظہر اللہ[2] نے مکانات اپنے بنوائے
سکونت شہرِ میرٹھ میں ہوئی جب کُل گھرانے کی
شرافت اور کرامت کے جواہر خوب چمکائے
بہ شانِ مہر و مہ روشن تھے والد و عمّ دونوں
فلک پر عزّت و توقیر کے، چمکے بہم دونوں
شہِ عبد الحکیم جوشؔ و اسماعیل مولانا
زمانے کی نظر میں تھے بہت ہی محترم دونوں
مصنّف تھے، مؤلّف تھے کہ استادِ زمانہ تھے
رہے معروف تر اہلِ سخن، اہلِ قلم دونوں
بنائیں درسگاہیں، علم کے دریا بہانے کو
ہوئے مخدومِ ملّت، صاحبِ لطف و کرم دونوں"

(تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۴)

بیت العلم، محلہ مشائخاں

۲۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی صاحبہ نے راقم الحروف سے فرمایا: "ہمارے دادا (شاہ عبد الحکیم صدیقی) کا گھر 'بیت العلم (علم کا گھر)' کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا اور میرے دادا اور اُن کے صاحبزادگان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے اُس محلے کا نام ہی 'محلۂ مشائخاں' مشہور ہو گیا۔"

نوٹ: مبلّغہ اسلام ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ مدّ ظلہا العالیہ حضرت مبلّغ اسلام علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی کی بھتیجی، مبلّغ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی کی چھوٹی بیٹی اور مبلّغ اسلام قائدِ ملّت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی علیہم الرحمۃ کی چھوٹی بہن ہیں۔ آپ خواتین اسلامک مشن۔ پاکستان، کراچی، کی بانی بھی ہیں اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی برائے خواتین کی بانی و چانسلر بھی؛ علاوہ ازیں، آپ قومی اسمبلی پاکستان کی رکن بھی رہ چکی ہیں۔

ولادت

حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی علیہ الرحمہ کی ولادت، بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمۃ کی پیدائش[3] کے اٹھائیس دن بعد، بروز پیر، ۷(سات) محرّم الحرام ۱۲۹۴ھ (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۵) مطابق ۲۲ (بائیس) جنوری ۱۸۷۷ء[4] کو صوبۂ اُتر پردیش کے مردم خیز شہر میرٹھ (انڈیا) کے محلہ مشائخاں، اندر کوٹ میں ہوئی۔ والدِ ماجد نے "احمد مختار" اور دادی صاحبہ نے "امام الدین" نام رکھا (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۵)۔

تعلیم و تربیت

حضرت احمد مختار صدیقی پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے اور قرآنِ مجید وہیں ختم کیا؛ اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی اور درسِ نظامی کی تکمیل مدرسۂ اسلامی، اندر کوٹ، میرٹھ میں علامہ ناظر حسن صاحب سے ۱۳۱۰ھ میں کی؛ مگر اِسی پر اکتفانہ کیا، بلکہ مزید علم کی پیاس بجھانے کے لیے ۱۳۱۱ھ میں مولانا راغب اللہ پانی پتی کی خدمت میں پانی پت؛ ۱۳۱۴ھ میں مولانا محمد یوسف صاحب نبیرۂ مولانا شاہ محمد اسحاق محدّث دہلوی کی خدمت میں بھوپال؛ ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں علمِ حدیث کے لیے شیخ الدلائل حضرت مولانا شاہ عبد الحق صدیقی الہٰ آبادی مہاجر مکی (متوفّٰی ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء) کی خدمت میں مکۂ مکرمہ اور ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں شیخ سیّد محمد امین رضوان کی خدمت میں مدینۂ منوّرہ حاضر ہو کر

۱۳۲۳ھ میں علمِ حدیث کی تکمیل کی۔ بریلی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے اور گنج مرادآباد میں مولانا احمد میاں صاحب خلفِ اکبر حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی (۱۲۰۸ھ تا ۱۳۱۳ھ) سے بھی فیوضِ علمی حاصل کیے۔ آپ علومِ جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوئے، آپ کو انگریزی میں بھی دست رس حاصل تھی (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۵)؛ آپ ذوقِ شعر و سخن بھی رکھتے تھے اور ایک اچھے مُناظر و خطیب بھی تھے۔

بیعت و خلافت

علومِ ظاہری کے بعد علومِ باطنی کی طرف راغب ہوئے؛ آپ کے والد ماجد کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۲۳۳ھ تا ۱۳۱۷ھ) سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت و خلافت کا شرف حاصل تھا اور سلسلہ ہائے قادریہ غوثیہ و نقشبندیہ غوثیہ میں آپ حضرت سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی (۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء تا ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) کے خلیفۂ مُجاز تھے۔ حضرت احمد مختار نے اپنے والد ماجد سے بیعت ہو کر، مذکورہ تینوں سلاسل میں خلافت حاصل کی۔ بعد ازاں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں تاجِ خلافت پہنا (''کشف ضلالِ دیوبند'' شرح ''الاستمداد''، نسخۂ قدیمہ، ص ۶۸؛ نسخۂ جدیدہ، ص ۳۴) اور قطب المشائخ حضرت مولانا ابو احمد سید شاہ علی حسین الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی عرف اشرفی میاں (۱۲۶۶ھ تا ۱۳۵۵ھ) سے سلسلۂ اشرفیہ میں شرفِ خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت حاجی سید وارث علی شاہ سرکارِ دیوہ شریف (۱۲۳۲ھ تا ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) اور حضرت شیخ سید محمد امین رضوان مدنی وغیرہم اکابر صوفیا سے بھی فیوضِ روحانی حاصل کیے۔ (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۶)

عملی زندگی / تعلیمی و صحافتی اور سیاسی و ملّی خدمات

حضرت احمد مختار صدّیقی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز سولہ برس کی عمر میں درس و تدریس کے شعبے سے منسلک ہو کر کیا؛ میرٹھ کے قومی مدرسے میں فارسی کے مدرّس ہوئے، اٹاوہ کے اسلامیہ ہائی اسکول میں کچھ روز کے لیے ''ہیڈ مولوی'' مقرر ہوئے۔ امراؤ جہاں بیگم کے اسلامی مدرسہ بھوپال میں مدرّسِ اوّل کے علاوہ، سامرود اور دَمّن میں بھی مدرّس رہے۔ (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۵) آپ نے خود کو قرآنی تعلیم کے لیے بھی وقف کیا؛ علاوہ ازیں، نوجوانی کی عمر ہی میں اپر برما میں ایک پرائمری اسکول قائم کیا اور اردو کو فروغ دیا۔ مانڈے میں اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی اور ڈربن میں تعلیم کا چرچا عام کیا، خصوصاً خواتین کو تعلیم کی طرف مائل کیا۔ افریقا میں مسلمانوں کو ترقی کی طرف گام زن کرنے کے لیے ۱۹۰۸ء میں ایک گجراتی اخبار ''الاسلام'' جاری کیا۔ (ایضاً، ص ۳۸۶)

تحریکِ خلافت

حضرت احمد مختار صدیقی اور آپ کے چھوٹے بھائیوں (مولانا نذیر احمد صدّیقی خجندی اور مبلّغِ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی) کو ''خجندی برادران'' سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ ملکی اور قومی معاملات سے خُجندی برادران کو بڑا گہرا لگاؤ تھا۔ ۱۹۲۰ء میں خجندی برادران نے تحریکِ خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور ۱۹۲۱ء میں تحریکِ خلافت کے مرکزی فنڈ میں اُس وقت کے تین لاکھ روپے کا چندہ جمع کیا اور ۱۹۲۲ء میں آپ کو گرفتار ہو کر جیل بھی جانا پڑا۔ (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۶)

۴ر مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے اس فقیر سے ارشاد فرمایا: ''تحریکِ خلافت میں میرے ایک اور تایا مولانا محمد بشیر صدیقی (علامہ احمد مختار صدیقی کے بھائی) نے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔''

تجاویز (آل انڈیا سنّی کانفرس کا تاسیسی اجلاس)

مفسرِ قرآن حضرت علامہ محمد جلال الدین قادری (گجرات، پاکستان) لکھتے ہیں ''الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ یعنی آل انڈیا سنّی کانفرنس کا تاسیسی اجلاس ۲۰ تا ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ / ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو مرادآباد میں منعقد ہوا۔'' (تاریخ آل انڈیا سنّی کانفرنس، ص ۲۴)

آل انڈیا سنی کانفرنس کے داعیان میں سرِ فہرست صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی تھے اور اس کے مذکورۂ بالا اجلاس کی صدارت اشرف المشائخ حضرت علامہ شاہ علی حسین الاشرفی الجیلانی عرف اشرفی میاں نے کی، جب کہ صدرِ مجلسِ استقبالیہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری بریلوی (خلفِ اکبر اعلیٰ حضرت) تھے۔ شرکا کی فہرست میں حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری، مبلّغِ اسلام حضرت علامہ مولانا احمد مختار صدّیقی میرٹھی، مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی، مولانا سیّد احمد اشرف اشرفی جیلانی، شیخ المحدّثین حضرت مولانا سیّد محمد دیدار علی شاہ

الوری، مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری (پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی)، تاج العلما مولانا محمد عمر نعیمی وغیرہم جلیل القدر علما و مشائخ شامل ہیں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)۔ (ایضاً، ص۲۹)

حضرت علامہ محمد جلال الدین قادری (علیہ رحمۃ اللہ الباری) نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس کی مفصّل روداد بیان کرتے ہوئے آل انڈیا سنی کانفرنس کی اُن تجاویز کا بھی ذکر فرمایا ہے، جو حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی علیہ الرحمہ نے پیش فرمائیں۔ چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین قادری رقم طراز ہیں:

"حالاتِ حاضرہ سے متعلق آل انڈیا سنی کانفرنس کی تجاویز، جنہیں مولانا احمد مختار میرٹھی نے ایک طویل تقریر کے بعد پیش کیا اور مجمع عظیم نے اتفاقِ رائے سے پاس کیا، حسبِ ذیل ہیں:

(۱) یہ جلسہ مناسب سمجھتا ہے کہ ملک کے ہر صوبے، ہر شہر اور ہر گاؤں میں اہلِ سنّت وجماعت کی انجمنیں اور تبلیغی کمیٹیاں قائم کی جائیں۔

(۲) اس جلسے کی رائے میں جابجا تعلیم و تبلیغ کے مدارس جاری کیے جائیں۔

(۳) اس جلسے کے خیال میں سرِ دست مراد آباد میں مرکزی کمیٹی کا قائم رہنا ضروری ہے۔

(۴) یہ جلسۂ عام اس قانون پر، جو اسمبلی نے حج کے متعلق پاس کیا ہے، ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے حاجیوں سے دونوں طرف کا کرایہ پہلے ہی وصول کر لینے کو حج کے لیے سنگِ راہ خیال کرتا ہے۔

(۵) یہ اجلاسِ عام بادشاہِ دولتِ خداداد افغانستان حضرت امیر امان اللہ خان (خلد اللہ ملکہ) کے قتلِ مرتدین کو عین مطابقِ شرعِ مبین پاتا ہے اور خدمتِ والا میں اجرائے حدودِ شرعیہ پر ہدیۂ مبارک باد پیش کرتا ہے۔ جن اخباروں نے اس کے خلاف آواز بلند کی وہ بالیقین دینِ متین سے جاہل و بے خبر ہیں۔ ان کی اس خلافِ شرع آواز پر سخت نفرت و حقارت کا اظہار کرتا ہے۔

(۶) یہ اجلاسِ عام، جو سات کروڑ مسلمانانِ ہند کا قائم مقام اور ہر حصّۂ ملک کے علمائے اہلِ سنّت و جماعت پر مشتمل ہے، مرزائیوں کی صدائے احتجاج کی بنا پر لیگ آف نیشنز اور گورنمنٹ آف انڈیا کو توجہ دلاتا ہے کہ حکومتِ افغانستان کا اہلاکِ قادیانیاں مذہبی مسئلہ ہے۔ اس میں کسی حکومت کی مخالفانہ آواز صریح مذہبی مداخلت ہوگی، جس کو مسلمان کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے؛ لہٰذا لیگ اور گورنمنٹ کو اس مسئلے میں ہرگز دخل نہ دینا چاہیے۔ (ماہنامہ اشرفی، مئی ۱۹۲۵ء، ص۱۹، ۲۰)" (تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، صفحہ ۳۷تا۳۸)

وفدِ حجازِ مقدّس کی قیادت

حجازِ مقدّس میں شریفِ مکہ کی حکومت ختم کر کے جب سعودی خاندان نے اقتدار سنبھالا تو سعودی حکومت نے برسرِ اقتدار آتے ہی مکۂ معظمہ میں جنت المعلیٰ اور مدینۂ منورہ میں جنت البقیع کے اہلِ بیت اور اولعزم صحابۂ کرام کی قبروں کو منہدم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تو عالمِ اسلام میں ایک ہل چل سی مچ گئی، جس کی وجہ سے بمبئی (موجودہ ممبئی) کے غیور مسلمانوں نے ۱۹۲۴ء میں سلطان سعودِ اوّل کو اس حرکت سے باز رکھنے کے لیے حضرت مولانا احمد مختار صدیقی کی قیادت میں ایک وفد حجازِ مقدّس بھیجا؛ حضرت مولانا سید حبیب مدیر "سیاست لاہور" اور مولوی فضل اللہ خاں صاحب مالکِ علمیہ بک ڈپو بمبئی آپ کے رفقائے وفد تھے۔ (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص۳۸۶تا۳۸۷)

معاشرتی فلاح وبہبود اور مسلم اتّحاد

حضرت علامہ احمد مختار نے معاشرتی فلاح و بہود کے لیے بھی بڑا کام کیا۔ یتیموں اور مسکینوں کی حالتِ زار آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی؛ چنانچہ آپ نے اپنے درمانِ درد کے لیے،۱۹۱۸ء میں میرٹھ میں اور ۱۹۳۵ء میں ڈربن میں دار الیتامیٰ والمساکین (یتیم خانے) قائم کیے (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص۳۸۷)۔ مسلم اتّحاد و اُخوّت کے فروغ کے لیے ڈربن، جنوبی افریقہ میں ۱۹۳۴ء میں ایک تنظیم "بزمِ اخوان الصفا" کے نام سے تشکیل دی۔ (علامہ سیّد عظمت علی شاہ ہمدانی: ماہ نامہ "کاروانِ قمر" کراچی، مارچ ۲۰۰۴ء، ص۵۵)

تبلیغی خدمات

حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی نے دینِ اسلام کا بھی خوب پرچار کیا؛ متعدد عیسائیوں اور ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ آپ کی تبلیغی مساعیِ جمیلہ کے حوالے سے مفتی اختر حسین قادری (دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی بستی، انڈیا) لکھتے ہیں: "حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خاں فرماتے ہیں: حضرت مولانا احمد مختار میرٹھی سرکار اعلیٰ حضرت کے اجلّہ خلفا میں سے تھے۔ مدت العمر تبلیغ و ارشاد میں گزاری۔ برّصغیر کے علاوہ، افریقہ، جزائر، انڈونیشیا میں تبلیغی مراکز قائم کیے اور لاکھوں

غیر مسلموں کو داخلِ اسلام فرمایا (مقالاتِ یوم رضا، ۳/ ۲۳)"۔ (سالنامہ تجلّیاتِ رضا، بریلی، شمارہ ۸، ص ۱۴۹) افریقا میں آپ کی تبلیغی خدمات کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے آپ کو "مبلغِ افریقا" کے لقب سے نوازا۔ (ماہنامہ معارفِ رضا، دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۳۸)

اندازِ خطابت

حضرت احمد مختار ایک زبر دست خطیب بھی تھے۔ آپ کی تقاریر سامعین کے دلوں پر بڑے گہرے اثرات مرتّب کرتی تھیں۔ آپ کے اثر آفریں خطبات و مواعظِ حسنہ سن کر، جہاں غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، وہاں بہت سے مے نوش و شراب فروش بھی تائب ہوئے۔ (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۶)

جمیل الملّت و الدّین استاذ العلما حضرت علامہ مولانا جمیل احمد نعیمی ضیائی کرامتی دامت برکاتہم العالیہ (اُستاذ الحدیث و ناظمِ تعلیمات، دارالعلوم نعیمیہ، کراچی) نے ۱۶/ اپریل ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران اِس فقیر سے فرمایا: "میں نے اپنے اُستاذ تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ اور چند دیگر حضرات سے سُنا ہے کہ حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی جب شبِ معراج سے متعلّق خطاب فرماتے، تو ایسا سماں باندھتے کہ دورانِ خطاب جس طرف بھی ہاتھ کا اِشارہ فرماتے، حاضرین و سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اُس طرف سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری جارہی ہے۔"

بصارت ختم ہونے کے باوجود خدمتِ دین

حضرت علامہ احمد مختار میرٹھی عمر کے آخری حصّے میں قوّتِ بصارت سے محروم ہو چکے تھے، لیکن اُس کے باوجود دینی و تبلیغی و ملّی خدمات سے دست بردار نہیں ہوئے؛ مندرجہ ذیل دو اقتباسات ہماری اس بات پر شاہد ہیں:

(۱) حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اپنے تایا ابّا حضرت علامہ احمد مختار صدیقی علیہا الرحمہ کے متعلق اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں: "بڑے چھریرے بدن تھے۔ قد لمبا، بڑی نورانی داڑھی تھی۔ بڑا نورانی چہرہ تھا۔ انتقال سے دو سال قبل بینائی سے محروم ہو گئے تھے؛ لیکن اس کے بعد بھی ماشاء اللہ لکھتے رہتے تھے۔ دو تین طالبِ علم ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے تھے، انھیں پڑھاتے رہتے تھے: کبھی بخاری شریف، کبھی ہدایہ، کبھی شرح وقایہ۔ بڑے بہترین فاضل مدرّس تھے۔ مقرر اور مبلغ بھی تھے۔ بڑے اچھے مُناظر تھے۔" (مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ویڈیو کیسٹ، ۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

(۲) تاج العلما حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ کے فرزندِ ارجمند حضرت علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب (دارالعلوم نعیمیہ، کراچی) مدظلہ العالی رقم طراز ہیں: "راقم الحروف کو یہ سعادت حاصل ہے کہ میں نے حضرت مولانا احمد مختار قدّس سرّہٗ کی زیارت کی۔ موصوف سفر افریقہ سے جب واپس آئے تو آپ کے ساتھ تشنگانِ علومِ دینی میں سے چار افراد تھے، اُنھیں لے کر مولانا موصوف مرادآباد تشریف لائے اور حضرت صدر الافاضل محمد نعیم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا: 'میں نے اپنی ذمّے داری پوری کر دی ہے۔ اب تشنگانِ علم کی سیرابی آپ کے ذمّے ہے۔' اُن چار طالبِ علموں میں دو کے نام ذہن میں ہیں۔ اُن میں ایک مولوی محمد بشیر اور دوسرے مولوی نظام الدین تھے۔ اُن کا تعلّق ڈربن (افریقہ) سے تھا۔ مولوی محمد بشیر مرحوم سے میری خط و کتابت بھی تھی۔ موصوف نے اُس علاقے میں کافی خدمت کی اور مولانا احمد مختار قدّس سرّہٗ کے مشن کو جاری رکھا تھا۔ مولانا احمد مختار صاحب کو جب میں نے دیکھا تو موصوف کی بصارت ختم ہو چکی تھی۔ مرادآباد کے دورانِ قیام، میں نے مولانا کو لکھتے ہوئے دیکھ کر تعجب کیا، لیکن اس سے قبل مولانا کی تحریریں خط و کتابت میں دیکھ چکا تھا۔ اس وقت احساس ہوا کہ مولانا نظر ختم ہونے کے باوجود ایسا پاکیزہ لکھتے ہیں جیسا کہ انکھیارے نہیں لکھ سکتے۔ ہر ہر حرف اپنی جگہ، نہ سطر ٹیڑھی اور نہ عبارت میں سقم۔ گفتگو کا انداز اتنا پیارا! بولتے وقت یہ معلوم ہوتا کہ زبان سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ مولانا احمد مختار قدس سرہٗ کے دو صاحبزادے عزیزی ظہور الحق رحمانی اور عزیز الحق عرفانی بھی جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔" (مجلہ "عظیم مبلغِ اسلام"، خواتین اسلامی مشن، کراچی، ص ۱۴۳)

یہی نہیں بلکہ محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی صاحبہ کے مطابق حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدیقی نے وصال بھی میلاد شریف کے جلسے سے خطاب کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا۔

حلقۂ ذکر

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی صاحبہ نے، ۴ر مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، اس فقیر سے فرمایا کہ حضرت علامہ احمد مختار صدیقی علیہ الرحمۃ گھر میں روزانہ بعدِ نمازِ عصر حلقۂ ذکر کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، جس کی رسیلی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے اور کانوں میں رس گھولتی ہے۔ ڈاکٹر فریدہ صاحبہ نے مزید بتایا کہ وہ ذکر ایسا اثر آفریں اور پُر کیف ہوتا تھا کہ جس سے حاضرین پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

برادرِ اصغر کا منظوم خراجِ عقیدت

مولانا نذیر احمد صدیقی خجندی نے اپنے بڑے بھائی حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی علیہما الرحمۃ کے منظوم حالاتِ زندگی "مخدومِ خُجندی" کے نام سے تالیف کیے تھے، جن میں سے چند اشعار جناب مولانا امداد صابری صاحب نے "تذکرہ شعراءِ حجاز" میں درج کیے ہیں، جو یہاں نقل کیے جا رہے ہیں:

خدا نے جب یہ قدرت دی، ہوا جب مرتبہ اعلیٰ
تو اوّل شہر میرٹھ میں بہایا علم کا دریا
اٹاوہ میں رہے کچھ روز، اور اِندر بھی ٹھہرے
رہا بھوپال میں بھی فیضِ علمِ دین کا چرچا
کبھی وہ سَامرُوْد آئے، کبھی دَمَّن میں جا پہنچے
کبھی راندھیر ٹھہرے، علم سے ممتاز فرمایا
حصولِ علم کا بھی سلسلہ جاری رہا ہر دم
جہاں ذی علم پایا، شوق سے پھر علم دہرایا
خوشا قسمت رہے دو سال مکّے اور مدینے میں
تو اس عرصے میں شانِ علم ہوتی رہی بالا

(تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۵)

حصولِ فیضِ باطن کے بڑے مشتاق تھے دل سے
نہ گھبراتے مشقّت سے، نہ وہ ڈرتے تھے مشکل سے
کچھوچھہ اور بریلی جلوہ گاہِ فضلِ رحمانی
شرابِ معرفت پیتے رہے ہر ایک محفل سے
اسی صورت سے ڈربن میں کیا تعلیم کا چرچا
خصوصاً عورتوں کے خوش نما انجام کی خاطر
غرض تھی اُن کو خدمت سے، وہ کرتے ہی رہے خدمت
بالآخر اُنھیں جو جیل کی کلفت کا "تمغا" تھا
جہاں موقع وہ پاتے تھے وہیں مسلم بناتے تھے
زہے ہمّت، رہا یہ فیض جاری، جیل کے اندر
زمانہ جانتا ہے وہ اُنھیں جو شوق تھا، اُس کا
اُنھی کے دم سے افریقہ میں یہ چرچا ہوا گھر گھر

(ایضاً، ص ۳۸۶، ۳۸۷)

قرب و شفقتِ اعلیٰ حضرت

یہاں ہم مختلف عنوانات کے تحت اعلیٰ حضرت امام شاہ احمد رضا خاں سے حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی علیہما الرحمہ کے قرب و تعلّق اور اعلیٰ حضرت کی حضرت احمد مختار پر شفقت کے حوالے سے، فتاوٰی رضویہ، ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت اور حیاتِ اعلیٰ حضرت وغیرہ سے چند سوالات، جوابات اور اقتباسات نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

حضرت احمد مختار کی آمد پر اعلیٰ حضرت کا اظہارِ مسرّت

اعلیٰ حضرت جن علمائے کرام و مشائخ عظام کی آمد پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے، اُن میں حضرت مبلّغِ اسلام علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی بھی شامل ہیں۔ چنانچہ شہزادۂ حضور غوث الاعظم خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضرت ملک العلما علامہ مولانا سیّد محمد ظفر الدّین بہاری (رحمۃ اللہ الباری) رقم فرماتے ہیں: "میرے زمانۂ قیامِ بریلی شریف یعنی ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علمائے اہلِ سنّت و مشائخ کرام داعیانِ دین و ملّت و دیگر حضرات اہلِ سنّت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں؛ اُن سب کی خاطر و مدارات حسبِ مرتبہ کی جاتی اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت کی مسرّت کی جو حالت ہوتی، احاطۂ تحریر سے باہر ہے؛ خصوصاً۔۔۔ جناب مولانا شاہ احمد مختار صاحب صدّیقی میرٹھی ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں تو بیان سے باہر ہے۔" (حیاتِ اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی، بمبئی، جلدِ اوّل، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء، ص ۲۱۸ تا ۲۱۹)

مُناظرانہ صلاحیت و اعلیٰ حضرت کی تربیت و دادِ تحسین

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے تلامذہ (شاگردوں) اور خلفا کی جہاں اور معاملات میں تعلیم و تربیت کی، وہاں فنِّ مُناظرہ سے متعلّق بھی تربیت و رہ نمائی فرمائی۔ حضرت علامہ احمد مختار صدیقی علیہ

الرحمہ نے بھی اعلیٰ حضرت کے زیرِ تربیت رہ کر اپنی مناظرانہ صلاحیتوں میں اضافہ کرکے چار چاند لگوائے۔ چنانچہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیِ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفی رضا خاں قادری برکاتی نوری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما ایک مجلسِ اعلیٰ حضرت کا ذکر یوں فرماتے ہیں: "اس وقت مولٰینا مولوی نعیم الدین صاحب اور مولانا مولوی ظفر الدین صاحب اور مولٰینا مولوی احمد مختار ۵ صاحب صدیقی میرٹھی اور مولٰینا مولوی احمد علی صاحب میرٹھی و مولٰینا مولوی رحم الٰہی صاحب، ناظمِ انجمن اہلِ سنّت و مدرّس مدرسۂ اہلِ سنّت و مہتمم مطبع اہلِ سنّت و مولٰینا مولوی امجد علی صاحب، مدرّسِ مدرسۂ اہلِ سنّت و مہتمم مطبع اہلِ سنّت وغیرہ حضراتِ علمائے کرام حاضرِ خدمت تھے۔ انجمن کے آریہ ناریہ کے مقابل جلسے ہو رہے تھے۔ یہ سب حضراتِ جلسہ مناظرے سے مظفر و منصور واپس آئے تھے۔ رام چندر مُناظرِ آریہ کی چرب زبانی اور بے حیائی کا ذکر ہو رہا تھا کہ بات سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتا؛ بے حیائی سے کچھ نہ کچھ کہے ضرور جاتا ہے۔ اِس پر (اعلیٰ حضرت نے) ارشاد فرمایا: سخت غلطی ہے کہ ایسوں سے زبانی بات چیت ہو؛ اس کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ بکے گا، جس سے لوگ جانیں کہ بڑا مقرر ہے، برابر جواب دے رہا ہے۔ انسان میں یہ قوّت نہیں کہ زبان بند کر دے؛ بے حیا کفّار اللہ عَزَّوَجَلّ کے حضور نہ چوکیں گے؛ وہاں بھی زبان چلی ہی جائے گی، یہاں تک کہ مونھ پر مُہر فرمائی جائے گی اور اَعضا کو حکم ہو گا بول چلو اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاهِهِمۡ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ تَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ۶ تو ایسوں سے ہمیشہ تحریری گفتگو ہونا چاہیے کہ مُکرنے، بدلنے، بچلنے کی گلی نہ رہے۔ بہت دھوکا ہوتا ہے کہ وہابیہ وغیرہ سے فرعی مسائل میں گفتگو کر بیٹھتے ہیں؛ وہابی غیر مقلّد، قادیانی وغیرہ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ اُصول چھوڑ کر فرعی مسائل میں گفتگو ہو، انھیں ہرگز یہ موقع نہ دیا جائے؛ اُن سے یہی کہا جائے کہ تم اسلام کے دائرے میں آلو، اپنا مسلمان ہونا تو ثابت کر لو، پھر فرعی مسائل میں گفتگو کا حق ہو گا۔" (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، حصّۂ اوّل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ص۸۶)

اِس سے بہ خوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی مُناظرین کی صفِ اوّل میں شامل تھے اور میدانِ مُناظرہ سے کام یاب و مظفر اور فاتحانہ شان کے ساتھ لوٹتے تھے؛ مخالفین آپ سے گھبراتے تھے؛ جبھی تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے حضرت احمد مختار کو اُن کی مناظرانہ فتح و نصرت و صلاحیت پر اپنے اِس شعر میں یوں دادِ تحسین سے نوازا:

"مجبور احمد مختار اِن کو
کرتا ہے مر جاتے یہ ہیں"

("الاستمداد علی اجیال الارتداد" مع شرح "کشف ضلالِ دیوبند"، نسخۂ قدیمہ، ص۳۴؛ نسخۂ جدیدہ، ص۶۸)

مفتیِ اعظم حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی (خلفِ اصغر اعلیٰ حضرت علیہما الرحمہ) "الاستمداد" کی شرح "کشفِ ضلالِ دیوبند" میں مذکورۂ بالا شعر پر حاشیہ دے کر "احمد مختار" کی شرح یوں فرماتے ہیں: "جناب حامیِ سنّت مولانا مولوی احمد مختار صاحب صدّیقی میرٹھی قادری برکاتی رضوی، خلیفۂ اعلیٰ حضرت مدّ ظلّہ۔"

علامہ احمد مختار کی شہادت پر اعتمادِ اعلیٰ حضرت

حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی اور اُن کی باتوں پر اعلیٰ حضرت کو مکمّل اور پورا اعتماد تھا، جس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعے سے لگایا جا سکتا ہے: تحریکِ خلافت کے دور میں چند علما اس درجہ بہک گئے کہ اُن سے اپنی تقاریر و خطباتِ جمعہ میں کفریہ کلمات و گمراہ کن الفاظ تک سرزد ہو گئے۔ اُن علما میں ابو الکلام آزاد سرِ فہرست تھے۔ ابو الکلام آزاد نے بر سرِ منبر اپنے خطبۂ جمعہ کے دوران ہندو لیڈر گاندھی کی مدح سرائی میں "مقدّس ذات ستودہ صفات" وغیرہ الفاظ و کلمات کہے، جس کے عینی شاہد (چشم دید گواہ) حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی تھے۔ چنانچہ حضرت احمد مختار نے ابو الکلام آزاد کی گرفت کی اور یہ واقعہ اعلیٰ حضرت سے بیان کیا، جس کے نتیجے میں اعلیٰ حضرت کے خلفِ اکبر (بڑے صاحبزادے) حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی نوری رضوی بریلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے ابو الکلام آزاد کو بالمشافہ مخاطب کرکے، ایسی حرکاتِ شنیعہ سے توبہ کرنے کی ہدایت کی (ماہ نامہ السّواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ، ص۱۵، ۱۶، بہ حوالہ "تحریکِ آزادیِ ہند اور السواد الاعظم"، ص۲۳۳ تا ۲۳۴)؛ اور خود اعلیٰ حضرت نے ابو الکلام کی تحریری گرفت فرمائی۔

چنانچہ ابو الکلام آزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری فاضلِ بریلوی لکھتے ہیں: "جمعہ کا خطبہ اردو میں پڑھتا ہے، نہیں نہیں، خطبے کی جگہ لکچر دیتا ہے اور اس میں خلفائے راشدین و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بدلے گاندھی کی مدح "مقدّس ذات ستودہ صفات" وغیرہا لفاظیوں کے ساتھ گاتا ہے۔ اللہ فرمائے: اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ؛ یہ کہیں "مقدّس ذات"؛ اللہ فرمائے: اُولٰٓئِكَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِيَّةِ ۸؛ یہ کہیں "ستودہ صفات"؛ غرض، خطبۂ جمعہ کیا تھا، قرآنِ عظیم کا رَدّ تھا۔۔۔۔"
(المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، ص ۱۸؛ فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۱۴، ص ۵۱۸)

اعلیٰ حضرت کے اس اقتباس پر شیر بیشۂ اہلِ سنّت حضرت علامہ مولانا محمد حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی علیہما الرحمۃ نے مندرجہ ذیل دو حاشیے رقم فرمائے ہیں، جن میں اس واقعے کا حوالہ اور چشم دید گواہی کا ذکر ہے:

(۱) "اخبار مشرق گورکھ پور، ۱۳ جنوری ۲۱ء (۱۹۲۱ء) وعینی شہادت مولوی احمد مختار صاحب صدّیقی میرٹھی، رکن خلافت کمیٹی۔ حشمت علی۔"

(۲) "یہ مولوی صاحب شاہد عینی (مولانا احمد مختار صدّیقی) کا بیان ہے اور اخبار "مشرق" میں "مقدّس ذات پاکیزہ خیالات" ہے۔ حشمت علی"

مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے یہ حاشیہ نمبر (۲) "مقدّس ذات ستودہ صفات" کے الفاظ پر لکھا ہے؛ یعنی ابو الکلام آزاد کے یہ الفاظ حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے بیان کیے تھے، اور اخبار "مشرق" گورکھ پور میں "ستودہ صفات" کی جگہ "پاکیزہ خیالات" کے الفاظ شایع ہوئے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے "المحجۃ المؤتمنۃ" میں حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی ہی کے بیان کردہ الفاظ نقل فرمائے ہیں، جس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو حضرت احمد مختار پر مکمّل بھروسا اور اعتماد تھا۔

اعلیٰ حضرت سے حضرت احمد مختار کی عقیدت و محبت

تحریکِ خلافت کے دور میں بدعقیدہ مخالفین کی جانب سے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی پر چند الزامات لگائے گئے، تو حضرت احمد مختار صدیقی علیہا الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت سے اُن الزامات کے جوابات حاصل کرکے، اُس وقت کے ماہنامہ "السواد الاعظم مراد آباد" شمارہ جمادی الاوّل، ۱۳۳۹ھ میں شائع کرائے۔

چنانچہ ماہرِ رضویات وناشر مجددیات حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجدّدی مظہری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) رقم فرماتے ہیں: "الزام تراشی کا یہ سیلاب فاضل بریلوی کی طرف بھی متوجہ ہوا، اور ان پر ایک نہیں، کئی الزامات لگائے گئے اور پوری فردِ جرم تیار کی گئی، جس کی تفصیل یہ ہے: (۱) حمایتِ سلطنتِ اسلامیہ کے خلاف ہیں (۲) حفاظتِ اماکنِ مقدسہ ضروری نہیں بتاتے (۳) نینی تال پر لیفٹیننٹ گورنر سے ملاقات کی (۴) گورنمنٹ کی خوشی کے لیے اس کے حسبِ منشا فتویٰ لکھ دیا (۵) گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں (۶) کانپور میں حنفی سنی علماصوبہ متحدہ کے جلسے میں باصرار بلایا گیا، مگر شرکت سے انکار کر دیا۔

اسی زمانے میں مولانا احمد مختار صدیقی نے ان الزامات کے جوابات فاضل بریلوی سے طلب کیے تو فاضل بریلوی نے ان الزامات کے سلسلہ وار یہ جوابات مرحمت فرمائے:

جوابِ الزام نمبر ۱: سلطنت اسلامیہ اگرچہ بدعمل وبدمذہب ہو بشرطیکہ کہ اس کی بدمذہبی حدِّ کفر تک نہ پہنچی ہو جب کفّار سے اس کی جنگ ہو گی، مسلمانوں پر حسبِ استطاعت اس کی امداد فرض ہے، استطاعت سے زیادہ نہیں۔ (السواد الاعظم، شمارہ جمادی الاوّل ۱۳۳۶ھ، ص ۲۸، ۲۹)

جوابِ الزام نمبر ۲: اسی طرح اماکنِ مقدسہ اور جملہ شعائرِ اسلام کی حفاظت علیٰ حسب الوسعۃ فرض ہے۔ (السواد الاعظم، شمارہ جمادی الاوّل ۱۳۳۶ھ، ص ۲۹)

جوابِ الزام نمبر ۵، ۴، ۳: ان کا جواب میرے پاس اس سے بہتر کیا ہے: لعنت اللّٰہ علی الکٰذبین۔ جس نے ایسا کیا ہو اس پر قیامت تک اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے نیک بندوں کی لعنت ہو۔ (السّواد الاعظم، شمارہ جمادی الاوّل ۱۳۳۶ھ، ص ۳۰)

جوابِ الزام نمبر ۶: مولوی نثار احمد صاحب جمعیۃ العلما صوبہ متحدہ کی دعوت لے کر آئے، میں نے اس کے مقاصد، ہندوؤں سے اتحاد اور دیوبندیوں، وہابیوں کی شرکت ورکنیت وغیرہ بیان کیے؛ انہوں نے کہا کہ ہم خالص اہلِ سنّت کا جلسہ کریں گے۔ میں نے کہا کیجیے۔ میں خالص اہلِ سنّت کے ایک خدمت گار کی حیثیت سے اپنی تحریر بھیج دوں گا، جلسے میں پڑھی جائے کہ بوجہ ضعف و علالت حاضری سے معذور ہوں۔ (السواد الاعظم، جمادی الاوّل ۱۳۳۹ھ، ص ۳۱) (نوٹ: فاضل بریلوی

ان ایام میں شدید بیمار تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں آپ کا وصال ہوگیا۔ مسعود)" (تحریکِ آزادی ہند اور السّواد الاعظم، صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۵)

اعلیٰ حضرت پر الزامات کے جوابات حاصل کرکے انھیں شایع کرانا اعلیٰ حضرت سے حضرت علامہ شاہ احمد مختار میرٹھی کی عقیدت و محبت کا عملی اظہار و ثبوت ہے۔

علامہ احمد مختار کے سوالات اور اعلیٰ حضرت کے جوابات

حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں چند تحریری استفتا (سوالات) مختلف شہروں سے ارسال کیے، جو اعلیٰ حضرت کے جوابات کے ساتھ "فتاوٰی رضویہ" میں موجود ہیں۔ اِسی طرح حضرت احمد مختار صدیقی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما سے بالمشافہ زبانی سوالات بھی کرتے تھے، جن میں سے ایک یا زیادہ "ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت" میں شامل ہیں؛ فتاوٰی رضویہ اور ملفوظات شریف میں تلاش و جستجو کے بعد جن سوالات و جوابات تک اِس فقیرِ پُر تقصیر کی رسائی ہوسکی ہے، وہ یہاں درج کیے جارہے ہیں۔

سوالات و جوابات (فتاوٰی رضویہ) تاریخی ترتیب سے

سوال نمبر (۱) کا خلاصہ: ۲۶/ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ کو حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی نے اپر برہما، شہر مانڈے، سورتی مسجد سے مؤذّن کے بہ وقتِ اقامتِ نماز، "اشھد انّ محمدا رّسول اللہ" کہنے پر انگوٹھے چومنے سے متعلّق اعلیٰ حضرت کی خدمتِ اقدس میں ایک استفتا ارسال کیا، جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں جہازی سائز کے ڈھائی صفحات پر پھیلا ہوا ہے؛ اعلیٰ حضرت نے جہازی سائز کے ساڑھے گیارہ صفحات پر اس سوال کا جواب تحریر فرمایا؛ چودہ صفحات پر مشتمل یہ سوال و جواب فتاوٰی رضویہ قدیم، جلد ۲ (ص ۵۳۱ تا ۵۴۴) میں بغیر کسی نام کے، اور فتاوٰی رضویہ جدید، جلد ۵ (ص ۶۲۹ تا ۶۵۲) میں "نَهْجُ السَّلَامَةِ فِيْ حُكْمِ تَقْبِيْلِ الْاِبْهَامَيْنِ فِي الْاِقَامَةِ (۱۳۳۳ھ)" کے نام سے رسالے کی شکل میں موجود ہیں۔ طوالت سے بچتے ہوئے راقم الحروف یہاں صرف جوابِ اعلیٰ حضرت کی چند ابتدائی سطور ہدیۂ قارئین کر رہا ہے، جن سے اعلیٰ حضرت کی نظر میں حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی علیہما الرحمہ کی قدر و منزلت کا پتا چلتا ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حضرت احمد مختار پر اعلیٰ حضرت کس قدر شفقت اور اعتماد فرماتے تھے کہ آپ کو "علم دوست، حق پرست" ایسے پیارے القاب کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے اپنی قیمتی کتاب کا واحد نسخہ بھی آپ کو عاریتاً ارسال فرمادیا:

جوابِ اعلیٰ حضرت کی چند ابتدائی سطور: "اِس مسئلے کی تحقیقِ بالغ و تنقیحِ بازغ میں بائیس سال ہوئے، فقیر نے کتاب 'مُنِيْرُ الْعَيْنْ فِيْ حُكْمِ تَقْبِيْلِ الْاِبْهَامَيْنْ' لکھی کہ بیس سال ہوئے بمبئی میں چھپ کر مُلک میں مفت تقسیم ہوئی؛ اب میرے پاس صرف ایک نسخہ باقی ہے کہ آپ جیسے علم دوست حق پرست کی اِعانت کو بغرضِ مُلاحظہ مُرسَل۔ ایک نسخہ بھی اور ہوتا تو ہدیۃً حاضر کر دیتا۔ بعد ملاحظہ بیرنگ واپس فرمائیں۔ یہ رسالہ بِاِذْنِهٖ تَعَالٰی دربارۂ حدیث و فقہ منکِرین کے خیالاتِ باطلہ عاطلہ بیخ کُنی و شکنی کو بس ہے؛ لہٰذا، اُن سے زیادہ تعرّض کی حاجت نہیں؛ صرف بعض اُمورِ جہالت فتوائے مذکور کے متعلّق اجمالاً گزارش، وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق۔۔۔۔"

سوال نمبر (۲): "مسئلہ از مانڈے سورتی مسجد ملک برہما مسئولۂ مولوی احمد مختار صاحب صدیقی، ۶/ رجب ۱۳۳۳ھ۔

ایک شخص ہمیشہ علما کو بُرا کہتا رہتا ہے؛ چنانچہ ایک روز اس کے سامنے ذکر ہوا کہ فلاں عالم نئے تشریف لانے والے ہیں تو وہ فوراً کہتا ہے کہ ہاں آتے ہوں گے کوئی بھاڑ کھاؤ؛ ایسے بدگو علما کے لیے شریعتِ غرہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسے شخص کی نسبت حدیث فرماتی ہے: منافق ہے؛ فقہا فرماتے ہیں: کافر ہے۔ خطیب حضرت ابو ہریرہ اور ابو الشیخ ابنِ حبّان 'کتاب التوبیخ' میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم فرماتے ہیں: ثلاثة لا یستخف بحقهم الا منافق بین النفاق ذو الشیبة فی الاسلام و ذو العلم۹ و معلم الخیر۔۱۰ 'مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر' میں ہے: الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر و من قال لعالم عُویلم او لعلوی عُلیویّ قاصدًا به الاستخفاف کفر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" (فتاوٰی رضویہ، قدیم، جلد ۶، ص ۲۵ تا ۲۶؛ فتاوٰی رضویہ، جدید، جلد ۱۴، ص ۲۶۹)

نوٹ: سوال نمبر (۱) کو ۲۶/ جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ اور سوال نمبر (۲) کو ۶/ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ کو پورے سو سال ہو رہے ہیں۔

سوال نمبر (۳): "مسئلہ:۔ مسئولۂ مولٰینا مولوی احمد مختار صاحب میرٹھی مورخہ ۸/ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ۔

(۱) ماقولکم ایها العلماء الکرام! مرزا غلام احمد قادیانی کو مجدّد، مہدی،

مسیح موعود اور پیغمبر صاحبِ وحی و الہام ماننے والے مسلم ہیں یا خارج از اسلام اور مرتد؟(۲) بشکلِ ثانی ان کا نکاح کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ یا ان کی ہم عقیدہ عورت سے شرعاً درست ہے یا نہیں؟(۳) بصورتِ ثانیہ جن عورات کا نکاح ان لوگوں کے ساتھ منعقد کیا گیا ہے، کیا ان عورات کو اختیار حاصل ہے کہ بغیر طلاق لیے اور بلا عدّت کسی مردِ مسلم سے عقدِ نکاح کر لیں؟ بَیِّنُوْا اٰجَرَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

الجواب:۔ (۱) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوّت ملنے کا جو قائل ہو وہ تو مطلق کافر مرتد ہے، اگرچہ کسی ولی یا صحابی کے لیے مانے قال اللہ تعالیٰ: 'وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ا۱؛ و قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: 'اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'۱۲؛ لیکن قادیانی تو ایسا مرتد ہے جس کی نسبت تمام علمائے کرامِ حرمینِ شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ 'مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ فَقَدْ کَفَرَ' اسے معاذ اللہ مسیح موعود یا مہدی یا مجدّد یا ایک ادنیٰ درجے کا مسلمان جاننا در کنار، جو اُس کے اقوالِ ملعونہ پر مطّلع ہو کر اُس کے کافر ہونے میں ادنیٰ شک کرے، وہ خود کافر مرتد ہے؛ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) قادیانی عقیدے والے یا قادیانی کو کافر مرتد نہ ماننے والے مرد، خواہ عورت کا نکاح اصلاً، قطعاً ہرگز زنہار کسی مسلم، کافر، یا مرتد، اُس کے ہم عقیدہ یا مخالف العقیدہ، الغرض تمام جہاں میں انسان، حیوان، جِنّ، شیطان کسی سے نہیں ہو سکتا؛ جس سے ہو گا، زنائے خالص ہو گا۔ فتاویٰ عالم گیریہ میں ہے: 'لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ و کذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط'۔ اسی میں دربارۂ تصرفات مرتد ہے: 'منها ما هو باطل بالاتفاق نحو النکاح لا یجوز له ان یتزوج امراۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ و لا حرّیۃ ولا مملوکۃ'۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۳) جس مسلمان عورت کا غلطی، خواہ جہالت سے کسی ایسے کے ساتھ نکاح باندھا گیا، اُس پر فرض فرض فرض ہے کہ فوراً فوراً فوراً اُس سے جدا ہو جائے کہ زنا سے بچے اور طلاق کی کچھ حاجت نہیں، بلکہ طلاق کا کوئی محل ہی نہیں؛ طلاق تو جب ہو کہ نکاح ہوا ہو؛ نکاح ہی سرے سے نہ ہوا، نہ اصلاً عدّت کی ضرورت کہ زنا کے لیے عدّت نہیں۔ بلا طلاق و بلا عدّت جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ 'دُرّ مختار' میں ہے: 'نکح کافر مسلمۃ فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تجب العدّۃ لانه نکاح باطل'۔" [فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی، جلد ۵، ص ۳۳۴ (نیز جلد ۹، نصفِ آخر، ص ۳۱۲)؛ فتاویٰ رضویہ، مکتبۂ رضویہ، بابُ المحرمات، ص ۱۲۰ (نیز جلد ۱۰، نصفِ آخر، ص ۳۱۲)؛ فتاویٰ رضویہ، جدید، جلد ۱۱، ص ۵۱۴ تا ۵۱۶) نیز جلد ۲۱، ص ۲۷۹ تا ۲۸۱)]

سوال نمبر (۴): "مسئلہ۔ از بمبئی ڈاک خانہ نمبر ۹، آئسکریم ہوٹل، مسئولہ مولوی احمد مختار صاحب، ۵/ صفر ۱۳۳۹ھ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک شخص نے منگنی کے وقت کچھ زیور وغیرہ اس عورت کے لیے دیا، جس کے ساتھ اس کی منگنی قرار پائی، چند ماہ بعد عقدِ نکاح کے لیے آیا تو کچھ کپڑے بھی پیش کیے؛ بعد ازاں اس کا عقد اسی عورت کے ساتھ ہو گیا، زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے مالک بنا دیا تھا، اب کچھ عرصے بعد اس عورت کو طلاق دے دی اور زیور کپڑے جو چڑھائے تھے، وہ سب چھین لیے؛ پس یہ واپسی جائز ہے یا نہیں؟ اکثر کتبِ فقہیہ میں ہے کہ قبل از عقد جو کچھ دیا ہے، اُس کی واپسی کا شوہر کو اختیار ہے؛ بعد از عقد جو دیا ہے، وہ نہیں لے سکتا۔

الجواب: فی الواقع بعدِ نکاح جو کچھ تملیکاً دیا، اُس سے رجوع نہیں کر سکتا اور قبل نکاح جو کچھ دیا اُسے بے مرضیِ زن واپس لینا گناہ ہے اور خود چھین لینے کا ہرگز اختیار نہیں؛ بلکہ عورت نہ دے، نالش کر کے بحکمِ قاضی لے سکتا ہے اور گناہ گار اِس میں بھی ہو گا کہ صحیح حدیث میں فرمایا: اَلْعَآئِدُ فِیْ هِبَةٍ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِهٖ لَیْسَ لَنَا مِثْلَ السُّوْءِ یعنی بری مثال مسلمان کے شایان نہیں، دے کر واپس لینے والا کتّے کی طرح ہے کہ قے کر کے پھر چاٹ لیتا ہے۔ درّ مختار میں دربارۂ موانعِ رجوع ہے: والزوجة وقت الهبة فلو وهب لامرأته ثم نکحها رجع ولو وهب لامرأته لا، اسی میں ہے: لا یصح الرجوع الا بتراضیهما او بحکم الحاکم، واللہ تعالیٰ اعلم۔" [فتاویٰ رضویہ، قدیم، جلد ہشتم (۸)، ص ۱۱۹ تا ۱۲۰؛ فتاویٰ رضویہ، جدید، جلد ۱۹، ص ۳۸۸ تا ۳۸۹]

سوالات و جوابات (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت)

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتیِ اعظم علامہ مولانا محمد مصطفٰی رضا خاں قادری برکاتی نوری رضوی بریلوی (علیہ رحمۃ اللہ القوی) رقم طراز ہیں: "ایک روز مولوی احمد مختار صاحب میرٹھ سے تشریف لائے اور بعد نمازِ عشا اعلیٰ حضرت مدّ ظلّہ سے دست بوس ہوئے اور یہ مسئلہ

پوچھا کہ آیا شرعی امامتِ کبریٰ کے لیے قرشی ہونا شرعاً ضروری ہے کہ بے اس کے، شرعی اِمامتِ کبریٰ نہ پائی جائے گی؛ اگرچہ عرفی ہو یا کوئی استحسانی شرط ہے؟

ارشاد (اعلیٰ حضرت): مولٰینا! یہ مذہبی مسئلہ ہے؛ اس میں ہمارا اور روافض و خوارج کا خلاف ہے۔ خوارج کچھ تخصیص نہیں کرتے اور روافض نے اس قدر تنگی کی کہ صرف ہاشمیوں سے خاص کر دی اور یہ بھی مولیٰ علی کی خاطر، ورنہ بنی فاطمہ کی تخصیص کرتے۔ اہلِ سنّت صراطِ مستقیم و طریقِ وسط پر ہیں۔ ہماری تمام کتبِ عقائد میں تصریح ہے کہ اہلِ سنّت کے نزدیک اِمامتِ کبریٰ کے لیے ذکورت و حرّیت و قرشیّت لازم ہے اور تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا اشتراط قطعی یقینی اجماعی ہے۔"[ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، حصّۂ اوّل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ص ۱۱۱]

اس سوال و جواب کے بعد بھی متّصلًا بہت سے سوالات و جوابات ایسے ہیں، جو اس سوال کا تسلسل معلوم ہوتے ہیں؛ بالخصوص چار سوال، جن میں چوتھا سوال یہ تھا: "حضور نے جفر سے معلوم فرمایا؟" اور ایک سوال میں تو سائل نے مکۂ معظمہ میں حضرت شیخ الدلائل مولانا شاہ عبد الحق صدّیقی الٰہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی غلامی میں (سند و اجازت کے لیے) اپنی حاضری کا ذکر کیا ہے؛ حضرت احمد مختار صدیقی بھی حضرت شیخ الدلائل کی خدمت میں حاضر ہو کر سند و اجازت حاصل کر چکے تھے، جس سے اغلب گمان یہی ہوتا ہے کہ یہ سوالات بھی حضرت احمد مختار ہی نے کیے تھے۔

تحاریرِ اعلیٰ حضرت پر تصدیقاتِ حضرت احمد مختار

حضرت علامہ احمد مختار صدیقی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کی تحاریر پر تصدیقات بھی قلم بند کی ہیں۔ ہمیں اعلیٰ حضرت کی دو تحاریر پر حضرت علامہ احمد مختار میرٹھی کی تصدیقات ملی ہیں، جنھیں ہم یہاں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں:

(۱) "حسام الحرمین" پر تصدیق

اعلیٰ حضرت کی مشہورِ زمانہ تصنیف مسمّٰی بہ اسمِ تاریخی "حُسَامُ الْحَرَمَیْنْ عَلٰی مَنْحَرِ الْکُفْرِ وَ الْمَیْنْ (۱۳۲۴ھ)" پر حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدیقی کی تصدیق اِن الفاظ میں ہے: "مَآ اَجَابَ بِهِ الْمُجِیْبُ اللَّبِیْبُ فَهٰذَا هُوَ الْحَقُّ الصَّرِیْحُ۔ احمد مختار الصدیقی، صدر جمعیت علمائے صوبہ بمبئی۔" (الصوارم الہندیہ، ص ۵۷) ترجمہ: "مجیبِ لبیب (جواب دینے والے صاحبِ دانش یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) نے جو جواب دیا ہے، وہی واضح حق ہے۔" (ندیم)

(۲) "الطاریٔ الداریٔ" پر تصدیق

مولانا عبد الباری فرنگی محلی جب مسٹر گاندھی کے ہم نوا بن کر عملاً گاندھی کے ہو کر رہ گئے اور اُن سے بہت سے کلماتِ کفر و ضلالت بھی صادر ہو گئے؛ تو اسی دوران اواخرِ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ میں مولانا عبد الباری صاحب نے مولانا ریاست علی خاں صاحب شاہجہاں پوری کے ذریعے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریوی علیہما الرحمہ سے ملاقات کی اجازت چاہی، تو اعلیٰ حضرت نے مولانا ریاست علی صاحب سے فرمایا کہ پہلے مولوی صاحب اپنے اقوالِ کفر و ضلال سے توبہ فرمالیں تو میں خود جا کر اُن سے ملوں گا۔ پھر مولانا عبد الباری صاحب نے اعلیٰ حضرت کو لکھ بھیجا کہ آپ کے نزدیک جو کلماتِ کفر مجھ سے سرزد ہوئے ہیں، تحریر فرمادیں؛ میں اُن سے توبہ کر کے طبع کرادوں گا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے اُن کے ایک سو ایک اقوال جمع فرما کر ارسال فرمائے اور اُن سے توبہ چاہی اور ساتھ ہی ایک مفصّل تحریر جس میں ہر قول پر حکمِ شرعی کا بیان تھا ارسال فرمائی۔ یہ تحریریں صدر الافاضل مفسرِ قرآن مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (مصنّفِ بہارِ شریعت)، مبلّغِ اسلام مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی اور شیر بیشۂ اہلِ سنّت مولانا حشمت علی قادری لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) کی بیسویں شب کو مولانا عبد الباری صاحب کے پاس لکھنؤ لے کر گئے۔ (الطاریٔ الداریٔ، حصّۂ اوّل، ص ۲ تا ۳)

اس واقعے کے تسلسل سے متعلق، مسعودِ ملّت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: "اس سلسلے میں امام احمد رضا اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے درمیان مراسلت ہوئی، جو ۱۶ر رمضان ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کو شروع ہوئی اور ۲ر صفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء (یعنی علیٰ حضرت کے وصال سے ۲۳ روز قبل۔ ندیم) کو ختم ہوئی۔ مولانا عبد الباری نے ۱۶ خطوط لکھے اور امام احمد رضا نے ۲۲۔ یہ جملہ مراسلت امام احمد رضا کے صاحبزادے مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے حسنی پریس، بریلی سے ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء میں بہ عنوان اَلطَّارِیُٔ الدَّارِیُٔ لِهَفَوَاتِ عَبْدِ الْبَارِیْ تین حصّوں میں شایع کیے۔" (سال نامہ "معارفِ رضا"، کراچی، شمارہ ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۵)

اسی مراسلت کے دوران ۳/ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کے خط میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تین قسم کے توبہ نامے دستخط کے لیے مولانا عبد الباری کو ارسال کیے، جن میں سے ایک توبہ نامے (تحریرِ مفصّل) کے آخر میں بارہ جلیل القدر علمائے اہلِ سنّت کی تصدیقات ثبت کرائیں کہ یہ سب حضرات اس فیصلے کی تائید کرتے ہیں کہ مولانا عبد الباری سے جو کلمات سر زد ہوئے ہیں، وہ سراسر کفر و ضلالت ہیں۔

طوالت سے بچتے ہوئے، ہم یہاں ان علمائے اہلِ سنّت میں سے صرف حضرت علامہ احمد مختار میرٹھی علیہ الرحمہ کی تصدیق ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں: ''اقوالِ مذکورۃ الصدر کی بابت اَدِلّہٴ واضحہ سے ثابت ہو گیا کہ ان سے دین میں رَخنہٴ عظیمہ برپا ہو گیا ہے؛ لہٰذا، بالضرور، ان سے توبہ واجب ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحٰنَہٗ وَ تَعَالٰی اَعْلَم وَ ھُوَ الْمُوَفِّقُ و التَّوَّابُ الرَّحِیْم۔احمد مختار الصدیقی۔''[''اَلطَّارِیُٔ الدَّارِیُٔ لِھَفَوَاتِ عَبْدِ الْبَارِیُٔ(۱۳۳۹ھ)''، حصّہٴ اوّل، ص ۵۵]

نوٹ: اعلیٰ حضرت اور مولانا عبد الباری صاحب کے درمیان مراسلت کے متعلّق تفصیلی معلومات کے لیے سالنامہ ''معارفِ رضا'' کراچی، شمارہ ۱۹۸۹ء کے صفحات ۱۸۵ تا ۱۹۲ پر حضرت مسعودِ ملّت ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ کا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا احمد مختار صدیقی سے بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم کی نیاز مندی

مولانا سیّد صابر حسین شاہ بخاری مدّ ظلہ العالی (ضلع اٹک، پاکستان) رقم طراز ہیں: ''بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح آپ (مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی) کے نیاز مندوں میں شامل تھے۔ وہ آپ کے پاس کبھی کبھی حاضری دیتے تھے۔ چوں کہ آپ علیہ الرحمۃ کو عربی، انگریزی، اردو اور دوسری زبانوں پر دست رس حاصل تھی؛ اسی لیے قائد اعظم کے معیار پر آپ علیہ الرحمۃ پورے (اُترتے) تھے۔''

(قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک، ص ۳۸۳)

ذوقِ شعر و سخن / منظوم کلام

ذوقِ شعر و سخن حضرت علامہ احمد مختار صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کو اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملا تھا؛ یہی وجہ تھی کہ آپ ایک اچھے نعت گو شاعر بھی تھے اور ''مختار'' تخلّص کرتے تھے۔ آپ کا تمام منظوم کلام تو کتابی شکل میں موجود نہیں ؛ البتّہ جتنے کلام تک ہماری رسائی ہو سکی ہے، وہ یہاں ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔

مبلّغِ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصنیفِ لطیف ''ذکرِ حبیب ﷺ'' میں، آپ کی چار نعتیں درج کی ہیں، جو یہاں نقل کی جارہی ہیں:

مجھے اُس کا جلوہ دِکھا دے خدایا
جسے تو نے آئینہ اپنا بنایا
نبی کی حقیقت کے ہوں ہم شناسا
وہ چشمِ بصیرت عطا کر خدایا
محمد وہ پیارے کہ خاص ان میں تو نے
دکھانا تھا جو کچھ وہ سب کر دِکھایا
خدا نور ہے آسمان و زمیں کا
محمد ہے اُس نور کا پہلا سایا
خدا کے حبیب آپ ہیں، یا حبیبی!
رسولوں میں یہ مرتبہ کس نے پایا
حکومت وہ بخشی کہ اللہ اکبر
ہر اک ذرّے ذرّے پہ سکّہ جمایا
الٰہی! بحقّ شفیعِ قیامت
مِرے سر پہ ہو ابرِ رحمت کا سایا
یہ مختارؔ عاصی بھی پہنچے مدینے
کوئی راہ ایسی بتا دے خدایا

(ذکرِ حبیب، حصّہٴ اوّل، ورلڈ اسلامک، ص ۱۵۔۱۶)

بشارت ہو نبی آئے ہمارے رہ نما بن کر
حبیبِ کبریا ہو کر شفیعِ دو سرا بن کر
کہے یہ کس طرح کوئی نبی آئے خدا بن کر
مگر ہاں! آئے اُس کی ذات ہی کا آئنہ بن کر
اگر چشمِ بصیرت ہے، رسول اللہ کو دیکھو
ہوا ہے جلوہ گر نورِ خدا نور الھدا بن کر
کہاں ہیں تشنگانِ دیدِ حق ان کی تسلّی کو
یہ آیا عکسِ نورِ حق جمالِ مصطفیٰ بن کر
محمد مصطفیٰ نورِ ظہورِ کنزِ مخفی ہیں
ہدایت کے لیے آئے نبی الانبیا بن کر
گنہ گارو! چلو خوش ہو بڑی تقدیر ہے اپنی
کہ وہ آئے شفیع المذنبیں صاحبِ لِوا بن کر
زباں کھلتی نہیں مختارؔ کی شرمِ مَعاصی سے
دلِ مہجور خود حاضر ہے عرضِ مدّعا بن کر

(ذکرِ حبیب، حصّہٴ اوّل، ورلڈ اسلامک مشن، ص ۵۷)

اللہ اللہ! وہ جمالِ شہِ بطحا دیکھو
نورِ حق جلوہ نما ہے رُخِ زیبا دیکھو
اسمِ "اللہ" کا مظہر ہے جمالِ احمد
قابلِ دید ہوں آنکھیں تو یہ جلوا دیکھو
حق نما آئنہ ہے شانِ محمد لاریب
ہے اگر دیدۂ بینا، دلِ دانا دیکھو
کنزِ مخفی کا ہے وہ نور و ظہورِ اوّل
چشمِ حق بیں سے جمالِ شہِ بطحا دیکھو
اللہ اللہ! زہے شانِ رسولِ عربی
نہیں مخلوقِ خدا کوئی ایسا دیکھو
رخِ روشن سے اٹھا دیجیے برقع، شاہا!
کتنے مشتاقِ زیارت ہیں خدا را دیکھو
ایک مدّت سے تڑپتا ہوں زیارت کے لیے
نظرِ مہر سے اِس ذرّے کو، شاہا! دیکھو
سرمۂ چشم اگر خاکِ درِ احمد ہو
نورِ توحید کا ہر رنگ میں جلوا دیکھو
جن کو فردوسِ بریں کی ہو تمنّا مختارؔ
اُن سے کہہ دو کہ چلو پہلے مدینہ دیکھو

(ذکرِ حبیب، حصّۂ دوم، ورلڈ اسلامک مشن، صفحہ ۲۵ تا ۲۶)

مِرے دل میں ہے آرزوئے مدینہ
چلوں میں (بھی)۱۳؎ اے کاش سوئے مدینہ
مِری جاں ہو قبرِ مبارک پہ قرباں
مِری خاک ہو خاکِ۱۴؎ کوئے مدینہ
نہ ہے جان تن میں نہ پہلو میں دل ہے
سِدھارے وہ پہلے ہی سوئے مدینہ
الٰہی! بحقِّ نبی اب دکھا دے
ہے کب سے مجھے جستجوئے مدینہ
نہ ہے زور و قوّت، نہ ہے مال و دولت
مگر شوق رہبر ہے سوئے مدینہ
مختارِ عاصی بھی پہنچے، خدایا!
طفیلِ محمد بہ کوئے مدینہ

(ذکرِ حبیب، حصّۂ دوم، المرکز الاسلامی، شمالی ناظم آباد، کراچی، ص ۶۱)

جناب امداد صابری صاحب نے بھی اپنی تصنیف "تذکرۂ شعراءِ حجاز (اردو)" میں ایک نعت درج کی ہے، جس میں حضرت احمد مختار میرٹھی علیہ الرحمۃ نے معراجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی دل کش اور پُر کیف منظر کشی کی ہے۔ وہ نعت یہاں نقل کی جارہی ہے:

نورِ خدا ہے جانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
جان و دل قربانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
کس نے دیکھا، کیا پہچانا، اُن کا مرتبہ کس نے جانا
اللہ جانے شانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
شب میں جگایا، پاس بُلایا، جلوہ دکھایا، جملہ عطایا
اللہ اللہ! آنِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
روحِ اقدس افلاک سے آیا، مژدۂ وصلِ جاناں لایا
جانِ جاناں، جانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
خوب جگانے کا ڈھب پایا، قدموں سے آنکھوں کو لگایا
بن شیدائی جانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
برق صفت وہ براق یکتا، خلدِ بریں سے لے کر آیا
بہرِ عروجِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
مسجدِ اقصیٰ میں جب آئے، پیغمبر واں حاضر پائے
روحِ امیں دربانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
بہرِ استقبالِ سرور، آئے رب کے خاص پیمبر
سب ہوئے مقتدیانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
اپنی اپنی کہہ کر بیٹھے، دل کے کانوں سے لگے سننے
بعدِ نماز بیانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
آدم، عیسٰی، یحیٰی، موسٰی، یوسف اور خلیلِ مولٰی
تھے سب مشتاقانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
عالَم بالا جب وہ سدھارے، طے کیے ساتوں فلک بھی سارے
عرش بَنا ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
احمد سے جب "میم" کا پردہ اُٹھ گیا، دیکھا جلوہ "اَحَد" کا
ہُو کا مکاں تھا مکانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
رب کا جلوہ آنکھ سے دیکھا، باتیں کیں واں بھید کی کیا کیا
یاں ہے سرّ نہانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
پھر باعزّت و شان و شوکت، آئے اپنے گھر پر حضرت
خوش تھے سب خاصانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم

معراجِ نبی کی محفل ہے، آؤ لگو صدقِ دل سے
بن جاؤ مہمانِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم
یا رب! یہ مختارِ عاصی، روضۂ انور کو دیکھے پر بھی
ہو جائے قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جناب امداد صابری صاحب اس نعت سے پہلے لکھتے ہیں: "مولانا احمد مختار صدیقی کو بھی شعر و شاعری کا شوق تھا۔ آپ زیادہ تر نعتیہ کلام کہتے تھے، آپ کی چند نعتیہ غزلیں ہم کو مولانا (شاہ) احمد نورانی صاحب خلفِ حضرت العلّامہ مولانا عبد العلیم صدّیقی میرٹھی مدنی کی عنایت سے ملیں، جو یہاں درج کی جاتی ہیں۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امداد صابری صاحب نے اس جگہ حضرت احمد مختار علیہ الرحمہ کی ایک سے زائد نعتیں لکھی تھیں، لیکن صد افسوس! محترم جناب ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب (سابق شیخ الجامعہ، جامعہ کراچی) سے عاریتاً لے کر "تذکرہ شعراءِ حجاز" کے جس نسخے سے ہم نے چند منتخب صفحات کی فوٹو کاپیاں کروائی تھیں، اُس نسخے میں نہ جانے کیوں صرف یہی ایک نعت شایع ہوئی ہے اور اس نسخے کے علاوہ کوئی اور نسخہ شایع ہوا ہے یا نہیں، اس بارے میں بھی ہمیں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

بہن بھائی

حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی علیہ الرحمہ کی سات بہنیں اور چھے بھائی تھے (مجلہ عظیم مبلّغ اسلام، ص ۵۵)۔ محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ اور اُن کے شوہر جناب پروفیسر محمد احمد صدّیقی صاحب نے، ۴ر مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، راقم الحروف کو بتایا کہ حضرت مولانا احمد مختار صدّیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ کی ایک منجھلی بہن محترمہ بسم اللہ خاتون صاحبہ سابق صدرِ پاکستان جنرل پرویز مشرّف کی نانی تھیں۔ مولانا امداد صابری صاحب نے "تذکرہ شعراءِ حجاز" (ص ۳۸۴ تا ۳۸۵) میں آپ سات بھائیوں کے نام اس طرح لکھے ہیں: "محمد صدّیق، خلیل الرحمٰن، حمید الدین، احمد مختار، محمد بشیر، نذیر احمد اور عبد العلیم۔" اور حضرت علامہ شاہ احمد مختار میرٹھی کی بھتیجی محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی صاحبہ بنتِ حضرتِ مبلّغ اعظم علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی علیہ الرحمہ نے مجلہ "عظیم مبلّغِ اسلام" (ص ۵۵ تا ۵۶) میں ساتوں بھائیوں کے نام یوں رقم فرمائے ہیں: "مولانا مختار احمد (ڈاکٹر فریدہ صاحبہ نے "احمد مختار" بھی لکھا ہے، اور درست نام "احمد مختار" ہی ہے) صدّیقی میرٹھی، مولانا نذیر احمد صدّیقی میرٹھی، مولانا بشیر احمد صدّیقی میرٹھی، مولانا صدّیق احمد صدّیقی میرٹھی، جناب خلیل احمد صدّیقی میرٹھی، جناب حمید احمد صدّیقی میرٹھی، مولانا محمد عبد العلیم صدّیقی میرٹھی۔"

۴ر مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ سے ہم نے ناموں کے اس اختلاف کا ذکر کیا، تو آپ نے رہ نمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ احمد مختار، محمد بشیر، محمد صدّیق، خلیل الرحمٰن اور حمید الدّین نام ہی درست ہیں؛ مجلّہ "عظیم مبلّغِ اسلام" میں نہ جانے کس طرح ان ناموں یہ اغلاط شایع ہو گئیں۔

حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی کے بھائیوں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) سے متعلّق مختصر معلومات یہاں درج کی جارہی ہیں:

(۱) **حضرت مولانا نذیر احمد صدّیقی خجندی** نے ۱۸ر اپریل ۱۹۱۸ء کو بانیِ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا دوسرا نکاح رتن بائی عرف رتّی بائی جو بعد میں "رتّی جناح" کے نام سے جانی پہچانی گئیں۔ کے ساتھ پڑھایا تھا اور دلھن کو مسلمان کیا تھا (قائدِ اعظم کا مسلک، ص ۳۷۷)۔ آپ مسجد "خیر الدین لال باغ کے امام و خطیب اور ناظم تھے۔ یہ مسجد ابو الکلام آزاد صاحب کے والد ماجد مولانا خیر الدین صاحب نے بمبئی میں تعمیر کروائی تھی (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۹)۔ اِس کے علاوہ، آزاد پارک، بمبئی میں عیدین کے بھی آپ امام تھے (مجلہ "عظیم مبلّغِ اسلام"، ص ۵۵)۔ آپ نے بمبئی سے ایک ہفت روزہ اخبار "غالب" نکالا، جو ڈیڑھ سال جاری رہ کر بند ہو گیا تھا (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص ۳۸۹)؛ آپ نے ایک اخبار "تاجر" بھی جاری کیا۔ (ایضاً، ص ۴۰۹)

مولانا نذیر احمد خجندی نہ صرف ایک قادر الکلام شاعر تھے، بلکہ آپ زینتِ بزمِ شعر و سخن بھی تھے۔ آپ کا کچھ کلام ہم نے اپنے اس مقالے میں نقل بھی کیا ہے؛ اس کے علاوہ، حضرت قطبِ مدینہ علامہ ضیاء الدّین احمد صدّیقی قادری مدنی (مرید و خلیفۂ اعلیٰ حضرت) کے جانشین و فرزند اور حضرت قائدِ ملّتِ اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی صدّیقی کے سسر محترم حضرت مولانا محمد فضل الرحمٰن مدنی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے مولانا امداد صابری صاحب کو حضرت علامہ نذیر احمد خجندی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر لکھوایا تھا، جو حصولِ برکت کے لیے یہاں ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔

آنکھیں روشن، دل منوّر سبز گنبد دیکھ کر
ناز کرتا ہے مقدّر سبز گنبد دیکھ کر

(تذکرہ شعراءِ حجاز، ص۳۹۰)

نوٹ: مولانا محمد الیاس عطّار قادری(امیرِ دعوتِ اسلامی) مدّ ظلّہ العالی کی ایک مشہور نعت:

لکھ رہا ہوں نعتِ سرور سبز گنبد دیکھ کر
کیف طاری ہے قلم پر سبز گنبد دیکھ کر

مولانا نذیر احمد خجندی علیہ الرحمہ کے اسی نعتیہ شعر کی زمین میں ہے اور اِس فقیر (ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی) نے بھی حصولِ برکت کے لیے، اِسی زمین میں ایک شعر کہا ہے، اِس اُمّید کے ساتھ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوبین کے طفیل شرفِ قبولیت سے نوازے گا:

موت آئے کلمہ پڑھ کر، سبز گنبد دیکھ کر
ایسا روشن ہو مقدّر، سبز گنبد دیکھ کر

ہم نے مذکورۂ بالا تینوں اشعار لکھ کر بہ ذریعہ ایس ایم ایس حضرت صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری صاحب(صدرِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی) زِیدَ مَجْدُہٗ کو بھیجے تو جواباً آپ نے بھی اس زمین میں حسبِ ذیل دو اشعار لکھ کر ایس ایم ایس کیے، جن میں ایک مصرع اِس فقیر کا بھی شامل فرمایا:

آیۂ "جَآءُوْكَ" پڑھ کر سبز گنبد دیکھ کر
جان دے دیں اُن کے در پر سبز گنبد دیکھ کر
موت آئے کلمہ پڑھ کر سبز گنبد دیکھ کر
اَوج پر پہنچے مقدّر سبز گنبد دیکھ کر

مولانا نذیر احمد خجندی انتقال سے ڈیڑھ دو برس پہلے مدینۂ منوّرہ چلے گئے۔(تذکرہ شعراءِ حجاز، ص۳۸۹)۔

ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے، ۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، راقم السطور سے فرمایا: "میرے تایا مولانا نذیر احمد خجندی علیہ الرحمۃ مدینۂ منوّرہ ۱۹۴۷ء میں حج کے سیزن میں گئے تھے اور آپ کی روانگی کا خصوصی انتظام بہ ذریعہ بحری جہاز(Ship) خود قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کروایا تھا؛ پھر تقریباً ڈیڑھ سال قیام کے بعد مدینۂ منوّرہ ہی میں آپ کا وصال ہوا اور جنّت البقیع میں آپ کی تدفین ہوئی۔" مولانا نذیر احمد خجندی علیہ الرحمۃ کی کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی (مولانا نورانی سے ایک انٹرویو، ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۹۶ء)۔ محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی صاحبہ نے، ۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، اس فقیر کو مولانا نذیر احمد خجندی علیہ الرحمۃ کی دو صاحبزادیوں: متینہ بیگم اور معینہ بیگم کے نام بتائے ہیں۔

دورانِ مطالعہ، ہمیں فتاوٰی رضویہ میں آپ کا ایک استفتا بھی ملا ہے، جو اعلیٰ حضرت کے جواب کے ساتھ "فتاوٰی رضویہ" قدیم، جلد۶، ص ۲ تا ۴ اور فتاوٰی رضویہ جدید، جلد ۱۴، ص ۱۳۲ تا ۱۳۵ میں موجود ہے۔ مولانا نذیر احمد خجندی علیہ الرحمہ نے "حُسَامُ الْحَرَمَیْنْ عَلٰی مَنْحَرِ الْکُفْرِ وَ الْمَیْنْ(۱۳۲۴ھ)" پر ایک تصدیق بھی رقم کی ہے، جو "الصوارم الہندیۃ" میں شامل ہے۔

(۲) مولانا محمد بشیر صدّیقی میرٹھی علیہ الرحمہ کے متعلّق جناب نور احمد میرٹھی رقم طراز ہیں: "مولانا عبد الحکیم کا خاندان علم و ادب کے ذوق سے مالا مال تھا۔ اُنھیں کے گھر ۱۳؍ جمادی الثانی ۱۳۰۰ھ میں ایک بچے نے آنکھ کھولی، جس کا نام محمد بشیر رکھا گیا۔ محبوب و مقبول شاعر مولانا اسماعیل میرٹھی سے بشیر صدّیقی صاحب نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، جو اُن کے چچا بھی تھے۔ تعلیم مکمّل کرنے کے بعد درس و تدریس کے شعبے میں آگئے اور کئی سال قومی مدرسے میں معلّم رہے۔ ۱۹۱۰ء میں اُن کے بھائی مولانا احمد مختار صدّیقی جنوبی افریقہ اپنے ساتھ لے گئے، جہاں وہ قیام پزیر تھے۔ یہاں بشیر صدّیقی صاحب نے علمی، ادبی و مذہبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا؛ کئی دینی درس گاہیں قائم کیں، جہاں ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ شاعری کا ذوق انھیں فطری طور پر ودیعت ہوا تھا۔ ان کے خاندان کے بیش تر افراد شاعر تھے اور مقبول و مشہور بھی۔ اپنے جذبات کے اظہار کے لیے شاعری کو وسیلہ بنانے کا فیصلہ کر کے اپنے بھائی مختار صدّیقی سے اصلاح لینے لگے۔ جنوبی افریقہ کے مختلف شہروں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور پسند کیے جاتے تھے۔ آپ نے تبلیغِ اسلام، ادبی، علمی، ملّی اور سماجی خدمات میں عمرِ عزیز کا بیش تر حصّہ گزار کر ڈربن (افریقہ) میں ۱۹۶۷ء میں انتقال فرمایا۔

نمونۂ کلام:

زبان و چشم گوش اپنے کرو گے بند تم جس دم
بصیرت تب دکھا دے گی کہ وہ ہی نور افشاں ہے

کہاں تو اور کہاں یہ معرفت کا بحر بے پایاں
جو طے کرتا ہے صدّیقیؔ یہ بس اُن کا ہی فیضاں ہے

ظاہری آنکھوں سے دیکھو تو نظر آتا ہے
اس کی قدرت کے سوا کچھ بھی نظر آتا نہیں
آفتاب و ماہ، ورق و شعلہ سب میں ہی وہی
کون سی شے ہے کہ جس کو نور چمکاتا نہیں

نظارہ ہے مشتاق تو بے تاب نگاہیں
اِک جلوۂ دل افروز ذرا اپنا دکھا دے

ماخذ: جنوبی افریقہ کے اردو شاعر، ص ۲۳۵؛ تذکرہ شعرائے اتر پردیش، چھٹی جلد، ص ۶۶ تا ۶۸۔" (تذکرہ شعرائے میرٹھ، ص ۳۰۵ تا ۳۰۶)

۲۲/ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے اس فقیر کو بتایا کہ مولانا محمد بشیر صدّیقی علیہ الرحمہ کی دو بیٹیاں: سیّدہ انصاری اور منیرہ خاتون تھیں اور دو بیٹوں کے نام: روحانی میاں اور حقّانی میاں بھی بتائے اور بتایا کہ حقّانی میاں ریڈیو پر کوئی پروگرام کرتے ہیں۔ تذکرہ شعرائے میرٹھ میں مولانا بشیر احمد صدّیقی علیہ الرحمۃ کے ایک بیٹے کا نام: "مولانا محمد زَکَرِیّا صدّیقی" اور تخلّص "صفی" مرقوم ہے۔

(۳) **مولانا محمد صدیق صدیقی میرٹھی** ایک اچھے شاعر تھے؛ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ سے فون پر حاصل شدہ معلومات کے مطابق پانی پت میں آپ کا انتقال ہوا اور پانی پت ہی میں آپ کی تدفین بھی ہوئی اور آپ کے دو فرزند تھے: (۱) مصداق صدّیقی (۲) اخلاص احمد صدّیقی۔ اخلاص احمد صدّیقی کے فرزند جناب پروفیسر اسحاق اطہر صدّیقی سینٹ پیٹرکس کالج، کراچی میں ستائیس سال تک (۱۹۶۶ء تا ۱۹۹۳ء) تدریسی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

(۴) **مولانا خلیل الرحمٰن صدّیقی میرٹھی** بھی ایک اچھے نعت گو شاعر تھے؛ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ سے فون پر حاصل شدہ معلومات کے مطابق میرٹھ میں آپ کا انتقال ہوا اور میرٹھ ہی میں آپ کی قبر مبارک ہے۔ معروف ماہرِ تعلیم اور ادیب جناب پروفیسر حبیب الرحمٰن صدّیقی آپ کے صاحبزادے تھے اور حبیب الرحمٰن صاحب کے فرزند جناب ذکاء الرحمٰن صدّیقی معروف شاعر۔

(۵) **جناب حمید الدین صدیقی میرٹھی** بھی ایک اچھے نعت گو شاعر تھے؛ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ سے فون پر حاصل شدہ معلومات کے مطابق میرٹھ میں آپ کا انتقال ہوا اور میرٹھ ہی میں آپ کا مدفن بھی ہے۔ آپ کے دو بیٹوں کے نام: بچّن میاں اور پیارے میاں اور تین بیٹیوں کے نام: مقبول بیگم، عظمت بیگم اور عشرت بیگم ہیں۔

(۶) سفیرِ پاکستان سفیر اسلام مبلغ اعظم **حضرت علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی مدنی** ۱۵/ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ مطابق ۳/ اپریل ۱۸۹۳ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاگرد و خلیفہ اور حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی کے والد ماجد و پیر و مرشِد تھے؛ آپ نے اپنے بڑے بھائی حضرت علامہ احمد مختار صدّیقی سے بیعت ہو کر اُن تینوں سلسلوں میں خلافت و اجازت پائی، جن کی اجازت و خلافت حضرت احمد مختار کو اپنے والدِ ماجد سے تھی اور پھر اپنے فرزندِ ارجمند امام شاہ احمد نورانی صدیقی کو بھی حضرت شاہ عبد العلیم صدیقی نے شرفِ بیعت عطا کر کے انھی تین سلاسل میں اجازت و خلافت سے نوازا۔ شاہ عبد العلیم صدیقی کو قائد اعظم نے سفیر پاکستان بنا کر عرب ممالک بھیجا تھا۔ آپ ایک بلند پایہ مبلغ اسلام اور مبلغ اعظم کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ قائدِ ملّت اسلامیہ سیّدی علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی علیہ الرحمۃ نے "مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی کانفرنس" (بمقام: مِل والا اپارٹمنٹ، کراچی، ۲۱/ مئی ۱۹۹۹ء) سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اُن کے والدِ ماجد حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی علیہ الرحمۃ نے ایک لاکھ سے زائد غیر مسلموں کو داخلِ اسلام کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے مبلغ اعظم حضرت علامہ شاہ عبد العلیم میرٹھی مدنی علیہا الرحمۃ کو اُن کی مناظرانہ استعداد اور علم پر یوں دادِ تحسین سے نوازا:

عبدِ علیم کے عِلم کو سن کر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

("الاستمداد علی اجیال الارتداد" مع "کشفِ ضلالِ دیوبند"، نسخۂ قدیمہ، ص ۳۴؛ نسخۂ جدیدہ، ص ۶۸)

مفتیِ اعظم حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی (خلفِ اصغر اعلیٰ حضرت علیہما الرحمہ) ''الاستمداد'' کی شرح ''کشفِ ضلالِ دیوبند'' میں مذکورۂ بالا شعر پر حاشیہ دے کر ''عبد علیم'' کی شرح یوں کرتے ہیں: ''جناب حامیِ سنّت فاضلِ نوجوان مولانا مولوی حاجی محمد عبد العلیم صاحب صدّیقی میرٹھی قادری برکاتی رضوی، خلیفۂ اعلیٰ حضرت مدّظلّہٗ۔''

حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدّیقی ایک بڑے عمدہ نعت گو شاعر بھی تھے؛ ''علیم'' تخلّص کرتے تھے۔ حمد اور نعتوں کے علاوہ، مَناقب نگاری میں بھی آپ کے شہ پارے موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی شان میں آپ نے ایک منقبت لکھی اور اعلیٰ حضرت کو پڑھ کر سنائی، جو بہت مشہور ہوئی۔ اس کا مطلع ہدیۂ قارئین ہے:

تمھاری شان میں جو کچھ کہوں اُس سے سوا تم ہو
قسیمِ جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلدِ اوّل، رضا اکیڈمی، بمبئی، ص ۱۷۶)

''ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت'' کا آغاز مبلغِ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی ہی کے سوال سے ہوتا ہے اور ''فتاوٰی رضویہ'' میں بھی آپ کے چند استفتا موجود ہیں۔ ''حُسَامُ الْحَرَمَیْنْ عَلٰی مَنْحَرِ الْکُفْرِ وَ الْمَیْنْ (۱۳۲۴ھ)'' پر آپ نے ایک تصدیق بھی رقم فرمائی ہے، جو ''الصوارم الہندیۃ'' میں شامل ہے۔

علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی علیہ الرحمہ کا وصال مدینۂ منوّرہ میں ۲۲ (۲۳ ویں شب) ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۲؍ اگست ۱۹۵۴ء کو ہوا۔ آپ کی تدفین آپ کے بڑے بھائی مولانا نذیر احمد خجندی کے قریب اور امّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں جنّت البقیع میں کی گئی۔ مبلغِ اعظم علیہ الرحمۃ کے چار بیٹوں اور تین بیٹیوں کے نام پیدائشی ترتیب کے لحاظ سے یہ ہیں: اَمَت السبّوح عرف سُبحیہ بیگم، مولانا محمد جیلانی صدّیقی، مولانا شاہ احمد نورانی صدّیقی، حامد ربّانی صدّیقی، ڈاکٹر عزیزہ اقبال صدّیقی، ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی اور حمّاد سبحانی صدّیقی، جن میں سے جناب حامد ربّانی، ڈاکٹر فریدہ احمد اور جناب حمّاد سبحانی صاحبان ماشاء اللہ ابھی بہ قیدِ حیات ہیں۔

مبلغِ اعظم شاہ عبد العلیم صدیقی پر شفقت و محبت

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدیقی صاحبہ نے، ۲۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، راقم الحروف سے ارشاد فرمایا: ''میرے تایا مختار (حضرت علامہ احمد مختار میرٹھی) میرے والدِ ماجد شاہ عبد العلیم صدیقی اور اُن کی اولاد یعنی ہم بہن بھائیوں سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ہم بہن بھائی جب آپ کے سامنے آتے تو ہمارے ہاتھ میں کچھ پیسے پکڑا دیتے اور فرماتے کہ **بچوں کو دینے سے برکت ہوتی ہے۔**''

تلامذہ/ خلفا/ مریدین

حضرت علامہ احمد مختار صدیقی کے لاتعداد تلامذہ (شاگرد) تھے؛ لیکن افسوس! ہمیں تین ناموں کے علاوہ اور نام معلوم نہ ہو سکے اور وہ تین نام آپ کے بھائیوں کے ہیں: (۱) مولانا محمد بشیر صدیقی (۲) مولانا نذیر احمد صدیقی خجندی (۳) مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی۔ اسی طرح آپ کے مریدین اور خلفا میں سے ہمیں صرف ایک ہی نام معلوم ہے اور وہ ہے آپ کے بھائی ''مبلغِ اعظم شاہ محمد عبد العلیم صدیقی'' کا (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)۔

شادی خانہ آبادی

حضرت علامہ محمود احمد قادری (استاد مدرسۂ احسن المدارس، قدیم، کانپور) علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ''آپ (حضرت علامہ احمد مختار صدیقی) کی شادی مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خاندان میں ہوئی۔'' (تذکرہ علماءِ اہلِ سنّت، ص ۳۴)

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ مدّظلّہا العالیۃ نے، ۲۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، ہمیں بتایا کہ حضرت علامہ احمد مختار میرٹھی علیہ الرحمۃ کی ایک شادی اور بھی ہوئی تھی؛ آپ اور آپ کے بھائی مولانا محمد بشیر صدّیقی آپس میں ہم زلف (ساڑھو) بھی تھے۔

اولاد

ہمیں حضرت علامہ احمد مختار صدیقی علیہ الرحمہ کی ایک صاحبزادی اور تین فرزندانِ گرامی کے نام معلوم ہو سکے ہیں: (۱) ظہور الحق رحمانی صدیقی عرف رحمانی میاں (۲) عزیز الحق عرفانی صدیقی۔ ان دونوں حضرات نے جامعہ نعیمیہ، مراد آباد میں کچھ عرصے تعلیم حاصل کی (مفتی اطہر نعیمی: مجلہ عظیم مبلغِ اسلام، ص ۱۴۳) جناب رحمانی میاں کی حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی سے خط و کتابت بھی تھی۔

(مولانا نورانی سے ایک انٹرویو، ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ اور اُن کے شوہر جناب پروفیسر محمد احمد صدّیقی صاحب نے، ۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، حضرت مولانا احمد مختار صدّیقی علیہ الرحمۃ کے مذکورۂ بالا دو صاحبزدگان کے علاوہ ایک اور فرزند ''صمدانی میاں'' اور ایک صاحبزادی ''اَمینہ'' خاتون کے نام بتائے اور فرمایا کہ یہ صاحبزادی کراچی ہی میں مدفون ہیں۔ علاوہ ازیں، ایک اور صاحبزادے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ آل انڈیا ریڈیو، دہلی، میں کوئی پروگرام کرتے تھے، لیکن اُن صاحبزادے کا نام ڈاکٹر صاحبہ اور پروفیسر صاحب دونوں کو یاد نہیں آرہا تھا۔

وِصالِ مبارک

حضرت علامہ شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی علم و عمل سے بھرپور زندگی گزار کر، بروز پیر، بعدِ مغرب، ۱۲(بارہ) جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰(دس) جولائی ۱۹۳۸ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے (تذکرہ شعراءِ حجاز، ص۳۸۷)۔ آپ کا انتقال دَمَّن (پرتگیز)، انڈیا میں ہوا تھااور دمّن ہی میں ایک مسجد سے متّصل اِحاطے میں آپ کی قبر مبارک ہے، جہاں جمیلِ ملّت علامہ جمیل احمد نعیمی ضیائی مدّ ظلّہ العالی نے ۱۹۶۱ء میں حاضری دی اور اُس مسجد میں خطاب بھی فرمایا۔

واقعۂ وصال اور بعد از وِصال ظہورِ کرامت

محترمہ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے، ۴؍ مئی ۲۰۱۲ء کی ملاقات کے دوران، حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدّیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ کے وصال اور وصال کے بعد کی ایک کرامت کا ذکر کرتے ہوئے اِس فقیر سے فرمایا کہ آپ کے وصال سے کچھ دیر پہلے بعض افراد آپ کو ایک جلسۂ میلاد النبی ﷺ میں لے جانے کے لیے حاضر ہوئے، جہاں حضرت احمد مختار علیہ الرحمۃ کو خطاب فرمانا تھا؛ لیکن، جب اُن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت کی طبیعت انتہائی ناساز ہے، سانس اُکھڑ رہا ہے، اور بہت ہی تیز بخار کی حالت ہے، تو عرض گزار ہوئے کہ حضور! آپ آرام فرمائیں۔ جواباً، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اِس سے اچھا کیا ہو گا کہ میری روح ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کرتے ہوئے اس قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔ چنانچہ جب آپ میلاد النبی ﷺ کے جلسے سے خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور درود شریف پڑھ کر ابھی آپ نے پہلا جملہ کہا ہی تھا، آپ کی روح قفسِ عنصری سے نکل کر، عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ انّاللہ وانّاالیہ راجعون! آپ کے وصال کے بعد موسلا دھار بارش ہونے لگی؛ لوگ جنازہ و تدفین کے متعلّق گھبرانے لگے کہ جنازہ بھیگ جائے گا اور قبر کی جگہ پر پانی ہی پانی جمع ہو جائے گا؛ لیکن، لوگوں کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ، چشمِ فلک نے بھی یہ حیرت انگیز منظر دیکھا اور روحانیت سے بھرپور ایمان افروز کرامت کا مشاہدہ کیا کہ کہ جنازہ لے کر چلنے والے افراد اور تدفین میں شریک حضرات بارش کے پانی سے بھیگ رہے ہیں، ہر طرف پانی ہی پانی برس کر پھیل رہا ہے؛ لیکن نہ تو جنازے پر ایک بوند پانی نظر آتا ہے اور نہ ہی قبر کی جگہ پر بارش کے کوئی آثار دکھائی دیتے ہیں، دونوں ہی خشک ہیں۔ ڈاکٹر فریدہ احمد صدّیقی صاحبہ نے بتایا کہ ''واقعۂ وصال و کرامت کی یہ تفصیل میں نے میرٹھ میں ایک کتاب میں پڑھی تھی، جو دَمّن، انڈیا میں میرے تایا (حضرت مولانا احمد مختار میرٹھی علیہ الرحمۃ) کے مریدین و معتقدین نے شایع کروائی تھی؛ لیکن، جب قیامِ پاکستان کے بعد، ہم لوگ ہجرت کر کے پاکستان آئے، تو بہت سی اور چیزوں کے ساتھ ساتھ، وہ کتاب بھی میرٹھ ہی میں رہ گئی۔'' ہمارے ایک سوال کے جواب میں محترمہ ڈاکٹر صاحبہ نے فرمایا کہ اُس کتاب اور اُس کے مصنّف کا نام انھیں یاد نہیں۔

آخر میں، اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت علامہ احمد مختار صدیقی میرٹھی نَوَّرَ اللهُ تَعَالٰی مَرْقَدَہٗ کی خدماتِ جلیلہ کو قبول کرتے ہوئے آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے؛ آپ کی قبر انور پر تا قیامِ قیامت رحمتوں کی بارش برسائے؛ اعلیٰ علّیین و جنّت الفردوس میں آپ کو بلندیِ درجات سے نوازے؛ آپ کے روحانی فُیوض سے ہمیں خوب مستفیض و فیض یاب کرے؛ اپنی رضا کے ساتھ، اس تحریر کو شرفِ قبول عطا فرماتے ہوئے، اسے میری اور میرے والدین، اہل و عیال، بہن بھائیوں، اعزّا و اقربا اور احباب کی مغفرت کا ذریعہ بنائے اور اس تحریر کو مقبولِ عام بناتے ہوئے، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے استفادے کی توفیقِ رفیق بخشے! آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و بارك وسلم و الحمد للّٰہ رب العالمین۔

حواشی

۱۔ تذکرہ شعراءِ حجاز میں اس جگہ "حمیدی" لکھا ہے جب کہ اصل نام "حمید الدین" ہے اور وزنِ شعری کے اعتبار سے یہاں "حمید الدیں" (نونِ غنّہ کے ساتھ) آنا چاہیے تھا اور مولانا نذیر احمد خجندی علیہ الرحمہ نے یہاں یقیناً "حمید الدیں" ہی لکھا ہو گا؛ جو کتابت کی غلطی سے "حمیدی" ہو گیا۔

۲۔ حضرت علامہ احمد مختار صدیقی کے دادا جناب پیر بخش علیہا الرحمہ کا تاریخی نام "مظہر اللہ (۱۲۱۱ھ)" تھا۔

۳۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی تاریخِ پیدائش ۸ر ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ / ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۶ء ہے۔

۴۔ آن لائن کلینڈر کے مطابق ۷ر محرم الحرام ۱۲۹۴ھ کو عیسوی تاریخ ۲۲ر جنوری ۱۸۷۷ء تھی اور دن پیر کا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شرفِ ملّت حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری نے "تذکرہ اکابرِ اہلِ سنّت" (ص ۲۲۶) میں مولانا خواجہ عبد الرسول قصوری علیہ الرحمہ کے وصال کی تاریخ "۲۱ر محرم الحرام، ۵ر فروری (۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء)" رقم کی ہے، جس سے چودہ روز قبل کی تاریخِ ہجری "۷ر محرم الحرام، ۱۲۹۴ھ" اور عیسوی تاریخ "۲۲ر جنوری ۱۸۷۷ء" حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ اس مقام پر "ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت" اردو کے تمام دستیاب نسخوں میں "مختار" کی جگہ "افتخار" لکھا ہے اور ملفوظات کے انگریزی ترجمے میں شیخ ابو محمد عبد الہادی قادری رضوی نوری صاحب نے "مختار" لکھا ہے اور درست بھی یہی ہے: کیوں کہ حضرت احمد مختار میرٹھی اکثر ان علمائے کرام کے ساتھ ہوتے تھے، جن کا ذکر حضور مفتیِ اعظم مصطفیٰ رضا خاں علیہم الرحمۃ نے اس جگہ فرمایا ہے؛ جب کہ احمد افتخار صدیقی میرٹھی کے نام سے کوئی شخصیت حلقۂ رضویہ میں متعارف نہیں ہے۔

۶۔ القرآن الکریم: پارہ ۲۳، یٰسٓ، ۶۵۔ ترجمہ: "آج ہم اُن کے مونھوں پر مہر کر دیں گے اور اُن کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور اُن کے پاؤں اُن کے کیے کی گواہی دیں گے۔" (کنز الایمان)

۷۔ القرآن الحکیم: پارہ، ۱۰، التوبہ، آیت ۲۸۔ ترجمہ: "مشرک نرے ناپاک ہیں۔" (کنز الایمان)

۸۔ القرآن المجید: پارہ ۳۰، البیّنہ، آیت ۶۔ ترجمہ: "وہی تمام مخلوق میں بد تر ہیں۔" (کنز الایمان)

۹۔ فتاویٰ رضویہ قدیم میں اس مقام پر "ذو العلم" ہے اور فتاویٰ رضویہ جدید میں "ذو العلم" کی جگہ "الامام المقسط" لکھ کر اُس کا ترجمہ: "عادل امیر" کیا گیا ہے؛ جب کہ اس جگہ سوال و جواب کی مناسبت کی وجہ سے "ذو العلم" (یعنی عالم یا علم والا) ہی درست معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۰۔ اردو ترجمہ: "تین افراد ایسے ہیں، جن کو منافق کے سوا کوئی حقیر نہیں سمجھے گا: ایسا بوڑھا شخص، جو حالتِ اسلام ہی میں بوڑھا ہوا ہو اور عالم (عِلم والا) اور بھلائی کی تعلیم دینے والا۔" (ندیم)

۱۱۔ القرآن الحمید، پارہ ۲۲، الاحزاب، آیت ۴۰۔ ترجمہ: "ہاں اللہ کے رسول ہیں، سب نبیوں میں پچھلے۔" (کنز الایمان)

۱۲۔ اردو ترجمہ: "(حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آخری نبی ہوں؛ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (ندیم)

۱۳۔ "ذکرِ حبیب" میں اس جگہ لفظِ "بھی" نہیں لکھا؛ وزنِ شعری کے مطابق یہاں "بھی" یا "بھی" کے ہم وزن کوئی لفظ آنا چاہیے؛ ہمارے خیال میں یہاں لفظِ "بھی" ہی تھا، جو کتابت / کمپوزنگ میں لکھنے سے رہ گیا۔

۱۴۔ ورلڈ اسلامک مشن کے نسخے میں "ہو خاک" کے الفاظ شائع ہونے سے رہ گئے ہیں۔

کتابیات (مآخذ و مراجع)

1۔ اللہ تبارک و تعالیٰ، خالقِ کائنات و معبودِ حقیقی: "القرآن الحکیم"۔

2۔ محمد احمد رضا خاں قادری فاضلِ بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: "کَنۡزُ الۡاِیۡمَانِ فِیۡ تَرۡجَمَۃِ الۡقُرۡاٰن (۱۳۳۰ھ)" (اردو ترجمۂ قرآنِ حکیم)، پیر بھائی کمپنی، لاہور، س ن (سنِ اشاعت ندارد یعنی کتاب میں تاریخِ اشاعت درج نہیں ہے)۔

3۔ ولی الدّین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، شیخ: "مِشۡکٰوۃُ الۡمَصَابِیۡح" (عربی)، مکتبۃ الحرمین الشریفین، کانسی روڈ، نزد مسجدِ نور، کوئٹہ۔

4۔ احمد یار خاں نعیمی بدایونی ثم گجراتی، حکیم الامّت علامہ مفتی: "مِرۡاٰۃُ الۡمَنَاجِیۡح" اردو ترجمہ و شرح "مِشۡکٰوۃُ الۡمَصَابِیۡح"، جلد ہشتم (۸)، ضیاء القرآن، لاہور، س ن۔

5 تا 8۔ محمد احمد رضا خاں قادری فاضلِ بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: "اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوَی الرَّضَوِیَّۃ" المعروف بہ "فتاویٰ رضویہ" قدیم، جلد ۲، ۵، ۶، ۸، رضا اکیڈمی ممبئ؛ مکتبہ رضویہ، کراچی۔

9۔ ایضاً، جلد ۱۰، مکتبہ رضویہ، کراچی۔

10۔ ایضاً، جلد ۹، رضا اکیڈمی ممبئ۔

11 تا 15۔ ایضاً، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۵، ۱۱، ۱۴، ۱۹، ۲۱، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔

16۔ محمد احمد رضا خاں قادری فاضلِ بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: "اَلۡمَحَجَّۃُ الۡمُؤۡتَمِنَۃ فِیۡ اٰیَۃِ الۡمُمۡتَحِنَۃ (۱۳۳۹ھ)"، مطبعِ حسنی، بریلی، (باہتمام مولانا حسنین رضا خاں بریلوی)، س ن۔

17۔ ایضاً: "اَلطَّارِئُ الدَّارِیۡ لِھَفَوَاتِ عَبۡدِ الۡبَارِیۡ (۱۳۳۹ھ)" (اعلیٰ حضرت اور مولانا عبد الباری کے درمیان خط و کتابت، مرتبہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیِ اعظم حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی)، حسنی پریس، بریلی، باہتمام مولانا محمد حسنین رضا خاں بریلوی، س ن۔

18۔ ایضاً: "ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت" مسمّٰی بہ اسمِ تاریخی "الملفوظ (۱۳۳۸ھ)"، مرتبہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیِ اعظم حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی، حصّۂ اوّل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، س ن۔

19۔ ایضاً: "Al-Malfuz Al-Sharif" انگریزی ترجمہ "ملفوظاتِ اعلیٰ

حضرت"، مترجم: شیخ ابو محمد عبد الهادی القادری رضوی نوری) برکات الرضا پبلی کیشن، ڈربن، ساؤتھ افریقہ، ذی قعد ۱۴۲۶ھ / دسمبر ۲۰۰۵ء۔

20۔ ایضاً: "اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادْ (۱۳۳۷ھ)"، نسخۂ قدیمہ، مطبع اہلِ سنّت وجماعت، بریلی؛ نسخۂ جدیدہ، مکتبۂ برکات المدینہ، کراچی، شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ مطابق جولائی ۲۰۱۱ء۔

21۔ محمد مصطفٰی رضا خاں نوری بریلوی، مفتیِ اعظم شاہ: "کشفِ ضلالِ دیوبند (۱۳۳۷ھ)" شرح "اَلْاِسْتِمْدَادُ عَلٰی اَجْیَالِ الْاِرْتِدَادْ (۱۳۳۷ھ)"، مطبع اہلِ سنّت وجماعت، بریلی؛ مکتبۂ برکات المدینہ، کراچی، شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ مطابق جولائی ۲۰۱۱ء۔

22 تا 23۔ محمد عبد العلیم صدّیقی، مبلّغِ اعظم شاہ: "ذکرِ حبیب"، حصّۂ اوّل، دوم، ورلڈ اسلامک مشن۔ پاکستان، صدر، کراچی، ۲۰۰۷ء۔

24۔ ایضاً، المرکز الاسلامی، شمالی ناظم آباد، کراچی، طبعِ پنجم: ربیع الاوّل، ۱۳۹۱ھ۔

25۔ محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلما مولانا سیّد: "حیاتِ اعلیٰ حضرت"، رضا اکیڈمی، بمبئی (ممبئی)، انڈیا، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء۔

26۔ حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی، شیر بیشۂ اہلِ سنّت مولانا: ""اَلصَّوَارِمُ الْھِنْدِیّۃ"، نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، طباعتِ سوم: جنوری ۲۰۱۱ء۔

27۔ محمد اطہر نعیمی، مولانا مفتی: "چند یادیں۔ چند باتیں"، مشمولۂ مجلہ "عظیم مبلّغِ اسلام"، خواتین اسلامی مشن۔ پاکستان، گلشنِ اقبال، کراچی، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء۔

28۔ فریدہ احمد صدیقی، ڈاکٹر: "تذکرہ خانوادۂ علیمیہ"، مشمولۂ مجلہ "عظیم مبلّغِ اسلام"، خواتین اسلامی مشن پاکستان، گلشنِ اقبال، کراچی، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء۔

29۔ محمد جلال الدین قادری، مفسرِ قران علامہ: "تاریخ آل انڈیا سنّی کانفرنس"، سعید برادران، کھاریاں گجرات، رجب المرجب ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء۔

30۔ محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی، ماہرِ رضویات علامہ پروفیسر ڈاکٹر: "تحریکِ آزادیِ ہند اور السّواد الاعظم"، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست ۱۹۸۷ء۔

31۔ ایضاً: "امام احمد رضا بریلوی اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی"، مشمولۂ "سالنامہ معارفِ رضا" کراچی، شمارہ نمبر ۹ (۱۹۸۹ء)۔

32۔ محمود احمد قادری، علامہ: "تذکرہ علماءِ اہلسنت"، سنّی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، بارِ دوم: ۱۹۹۲ء۔

33۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری، شرفِ ملّت علامہ: "تذکرہ اکابرِ اہلِ سنّت (پاکستان)"، شبیر برادرز پبلشرز، لاہور، بارِ دوم: ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء۔

34۔ اختر حسین قادری، علامہ مفتی: "امام احمد رضا کے خلیفۂ اجل علامہ مختار احمد (درست "احمد مختار" ہے۔ ندیم) میرٹھی"، مشمولۂ سالنامہ "تجلّیاتِ رضا"، شمارہ نمبر ۸ (صفر المظفر ۱۴۳۱ھ / فروری ۲۰۱۰ء)، امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی۔

35۔ عظمت علی شاہ ہمدانی، ابنِ یوسف ابو الازہر علامہ سیّد: "قائد اہلِ سنّت کے عمِّ کبیر اور پیرِ پیر"، مشمولۂ ماہ نامہ "کاروانِ قمر"، کراچی، مارچ ۲۰۰۴ء۔

36۔ صابر حسین شاہ بخاری، مولانا سیّد: "قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک"، بزمِ رضویہ رجسٹرڈ، لاہور، ۱۶ر رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ / ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۹ء۔

37۔ محمد اسلم سیفی: "حیاتِ اسماعیل (مع کلیاتِ اسماعیل)"، مرتّبہ و مدوّنہ: محمد اقبال رانا، برائٹ بکس، لاہور، ۲۰۰۳ء۔

38۔ امداد صابری: "تذکرہ شعراءِ حجاز اردو"، مکتبۂ شاہراہ، اردو بازار، دہلی، اگست ۱۹۶۹ء۔

39۔ نور احمد میرٹھی: "تذکرہ شعرائے میرٹھ"، ادارۂ فکرِ نو، ۳۵ بی، ۱۱/۸/۷، کورنگی، کراچی، ۲۰۰۳ء۔

40۔ محمد آصف خان علیمی قادری، پروفیسر مولانا: "خلیفۂ اعلیٰ حضرت، مبلغِ اعظم شاہ محمد عبد العلیم صدیقی اور اُن کا گھرانا (اسلاف و اخلاف)"، مشمولۂ ماہ نامہ "معارفِ رضا"، کراچی، دسمبر ۲۰۱۰ء۔

41۔ ظہور الحسن شارب، ڈاکٹر: "تذکرہ اولیائے پاک و ہند"، حامد اینڈ کمپنی، مدینہ منزل، اردو بازار، لاہور، س ن۔

انٹرویو / تقاریر / ملاقاتیں / فون

42۔ مولانا نورانی سے ایک انٹرویو: ویڈیو کیسٹ، والیم نمبر 57، پیر، ۲۱ر اکتوبر ۱۹۹۶ء مطابق ۷ر جمادی الآخرۃ ۱۴۱۷ھ۔

43۔ شاہ احمد نورانی صدیقی، قائد ملّتِ اسلامیہ مبلغ اسلام مولانا: "مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی کانفرنس" سے خطاب، مِل والا اپارٹمنٹ، رنچھوڑ لائن، کراچی، ۲۱ر مئی ۱۹۹۹ء، بعدِ نمازِ عشا۔

44۔ حامد ربّانی صدیقی عرف ربّانی میاں، نذرِ فرید جناب حضرت: عرسِ علیمی سے خطاب، کچھی میمن مسجد، صدر، کراچی، ہفتہ (اتوار کی شب) ۱۹ر نومبر ۲۰۱۱ء مطابق ۲۲ر ذی الحجہ (تئیسویں شب) ۱۴۳۲ھ، بعد عشا۔

45۔ محمد ابراہیم قادری رضوی (سکھر، سندھ)، مولانا مفتی: عرسِ نورانی سے خطاب، جامع مسجد امامِ اعظم ابو حنیفہ، گلشن اقبال، کراچی، دسمبر ۲۰۰۶ء۔

46۔ جمیل احمد نعیمی ضیائی، جمیلِ ملّت علامہ: ملاقات، دار العلوم نعیمیہ، ایف بی ایریا، کراچی، پیر، ۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۶ر اپریل ۲۰۱۲ء۔

47۔ فریدہ احمد صدّیقی، مبلّغہ اسلام محترمہ ڈاکٹر (اور اُن کے شوہر محترم پروفیسر محمد احمد صدّیقی): ملاقات، خواتین اسلامی مشن۔ پاکستان، بلاک 5، گلشن اقبال، کراچی، جمعۃ المبارک، ۱۲ر جمادی الآخرہ، ۱۴۳۳ھ مطابق ۴ر مئی ۲۰۱۲ء (نیز ۲۲ر مئی ۲۰۱۲ء)۔

48۔ فریدہ احمد صدّیقی، محترمہ ڈاکٹر: فون پر گفتگو، اتوار، ۱۴ر جمادی الآخرہ، ۱۴۳۳ھ مطابق ۶ر مئی ۲۰۱۲ء؛ نیز ۱۷ر مئی ۲۰۱۲ء۔

◈ ◈ ◈ ◈ ◈

رضاہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

عمر شہزاد (ریسرچ اسکالر، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان)

رضاہائر ایجوکشن پروجیکٹ کے تحت ہر ماہ رضویات کے کسی عنوان پر تحقیق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ادارے کی کوشش ہے کہ یہ خاکے متعلقہ علم وفن کے ماہرین پیش کریں تاکہ سے ان شعبوں میں کالج اور یونیورسٹی سطح پر تحقیق کی حوصلہ افزائی ہوسکے۔ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ان تمام تحقیقات میں معاونت کے لیے تیار ہے۔ پیش نظر موضوع پر محترم عمر شہزاد جی سی یونورسٹی فیصل آباد سے ایم فل کا مقالہ تحریر کررہے ہیں۔ قارئین وادارے متعلقہ مواد ادارۂ تحقیقات کے ذریعے محقق کو بھیج سکتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کی علم الطبیعیات میں خدمات کا جائزہ

تمام مذاہب میں سے دین اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں علم کے حصول کو انسان کیلئے فرض قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کے اسرار و رموز سے بہتر طور پر آگاہ ہوسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق ۔ تم فرماؤ زمین میں سفر کر کے دیکھو اللہ نے کیسے مخلوق کو پیدا کیا۔ ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنہار لایت لاولی الالباب بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانہا وغرابیب سود o ومن الناس والدوب و الانعام مختلف الوانہ کذلك اور پہاڑوں میں راستے ہیں سفید اور سرخ رنگ رنگ کے اور کچھ کالے بھو چنگ (سیاہ کالے) اور آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ یونہی طرح طرح کے ہیں۔

اس سے پہلے کبھی کسی دین نے مشاہدہ کائنات کو اس قدر اہمیت نہیں دی تھی لہذا کوئی تعجب نہیں کہ اسلام کے شیدائیوں میں شروع ہی سے مشاہدہ کائنات اور اس پر غور و فکر کا بے پناہ شوق اور ولولہ موجود رہا اور انہوں نے اس طرف تیزی سے ترقی کی۔ اگلے سات آٹھ سو سال میں بیشمار مسلمان علماء مثلاً ابن الہیثم، البیرونی، یعقوب الکندی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، ابو محمد بن زکریا الرازی، ابن سینا اور عمر خیام پیدا ہوئے۔ جنھوں نے سائنس کے ہر شعبے میں شاندار کارنامے انجام دیے جو تمام دنیا کیلئے مشعل راہ ہے۔

سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مولانا احمد رضا خان نہ صرف ایک عالم، مفتی، حافظ، مفسر، محدث فقیہ، نعت گو شاعر، مصنف اور محقق تھے بلکہ آپ اس کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم بالخصوص علم الطبیعیات کے بھی ماہر تھے۔ آپ نے خصوصاً طبیعیات کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اور آپ نے مسلمانوں کو ایسا سائنسی اور تحقیقی پروگرام دیا جو رہتی دنیا تک قائم اور دائم رہے گا۔

علم الطبیعیات (Physics) سائنس کی وہ شاخ ہے جس میں مادہ (Matter) اور توانائی (Energy) کے خواص (Characteristic) اور ان کے باہمی عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے مثلاً جب ہم مادہ کو دیکھتے ہیں۔ تو ہم سوچتے ہیں کہ مادہ، ٹھوس (Solid)، مائع (Liquid) اور گیس کیوں ہے تو ہم اس کی کھوج لگاتے ہیں کہ بادل کیسے بنے اور ان کی چمک اور گرج کیسے پیدا ہوئی چنانچہ سائنس کی وہ شاخ جو سوالات کے جواب کی کھوج میں مدد کرتی ہے۔ طبیعیات (Physics) کہلاتی ہے۔

ابتدا میں سائنس کی دو شاخیں تھیں۔ ایک طبیعی سائنس اور دوسری حیاتیاتی سائنس۔ سائنس میں ترقی اور وسعت کے ساتھ یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان کو مزید شاخوں ہی تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ طبیعی سائنس کو طبعیات، فلکیات اور کیمیا میں تقسیم کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں طبیعیات میں بڑھتی ہوئی تحقیق سے اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہو جائے گا۔ اسے مزید شاخوں میں تقسیم کیا گیا۔ جیسے میکانیات، الیکٹرونیات، سالڈ سٹیٹ فزکس، ایٹمی فزکس، بائیو فزکس، آسٹرو فزکس، آپٹیکل، نیوکلئیر فزکس، صوتیات۔ مولانا احمد رضا خان کی کتب مندرجہ بالا علم الطبیعیات کی شاخوں میں تحقیقات سے بھرپور ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مضامین کو علیحدہ کر کے ان کی مزید تحقیق کی جائے۔ کیونکہ آپ نے جو بھی سائنسی نظریات دیئے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں دیئے۔ مولانا

احمد رضا خان فرماتے ہیں: "قرآن کی روشنی میں سائنس کو پرکھا جائے نہ کہ سائنس کی روشنی میں قرآن کو جانچا جائے اس لئے کہ قرآن کے قوانین مسلّم ہیں۔ اور سائنس ارتقائی مراحل میں ہے۔ "لہذا ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ سائنسی نظریات کوپہلے قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھے پھر ان پر اعتقادات کی بنیاد رکھیں۔

طبیعیات کا تعلق چونکہ مادہ اور انرجی سے ہے اور کائنات مادہ اور انرجی پر مشتمل ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وسخرلکم الفلك لتجری فی البحر بامرہ وسخرلکم الانہٰر o وسخر الشمس والقمر دائبین وسخرلکم الیل والنہار o اور تمھارے لیے کشتی کو مسخر کیا کہ اس کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے لیے ندیاں مسخر کیں اور تمہارے لئے سورج اور چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن مسخر کئے۔ یولج الیل فی النہار ویولج النہار فی الیل وسخر الشمس ولقمر کل یجری لاجل مسمی o رات لاتا ہے دن کے حصہ میں اور دن لاتا ہے رات کے حصہ میں اور اس نے کام میں لگائے سورج اور چاند ہر ایک مقرر میعاد تک چلتا ہے۔ وھوالذی خلق الیل والنہار والشمس والقمرط کل فی فلك یسبحون o اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند ہر ایک ایک گھیرے میں تیر رہا ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو پیدا کرنے کا مقصد بیان فرما کر انسان کو اس میں غور و فکر کی دعوت دی اور یوں ارشاد فرمایا فاعتبروا یا اولی البصار o پس عبرت حاصل کرو اے عقلمندو! افلا ینظرون o کیا تم دیکھتے نہیں افلا تتفکرون o کیا تم غور فکر نہیں کرتے۔

باری تعالیٰ کے فرمان پر انسان نے لبیک کہتے ہوئے کائنات میں تحقیق کی بہت سے سائنسی علوم سامنے آئے۔ بالخصوص طبیعیات کے میدان میں کافی ترقی ہوئی ہے اور مزید یہ سلسلہ آگے بڑھتا جارہا ہے۔ نت نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ بظاہر ایسے لگتا ہے کہ دور حاضر کی تمام سائنسی تحقیقات مغربی سائنسدانوں کی مرہون منت ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے مغربی سائنسدانوں نے جس قدر ترقی کی ہے در حقیقت اس کی بنیاد مسلمانوں کے وضع کئے گئے سائنسی اصول ہیں جن پر ریسرچ کر کے مغربی سائنسدانوں نے فزکس، کیمسٹری، بیالوجی وغیرہ کی تمام شاخوں میں نمایاں ترقی کی اور اس علمی و تحقیقی سرمائے کے وارث بن بیٹھے جسے مسلمانوں نے اپنے تغافل اور تساہل کے سبب پسِ پشت ڈال دیا تھا۔ اب بھی مغرب کی لائبریریاں مسلمانوں کے قیمتی علمی ورثے سے بھری پڑی ہیں۔ جن پر ریسرچ کر کے مزید نمایاں کارنامے سرانجام دیئے جارہے ہیں۔ مغربی ماہرین آج پوری دنیا میں چھائے ہوئے ہیں مگر ان کے کاموں کی بنیاد رکھنے والوں اور اس میں تحقیق کی راہ دکھانے والوں کا تذکرہ برائے نام بھی نہیں ملتا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے اکابرین علماء و محققین کی تحقیقات اور علمی سرمائے کو سامنے لائیں اور اس میں غور و فکر اور علمی کام کر کے سائنسی میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیں اور مسلم محققین و مفکرین کا نام اجاگر کریں اور دنیا کو ان کے تحقیقی اور سائنسی کارناموں سے روشناس کرائیں نیز ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ صرف ان قوانین و تحقیقات کو قبول کرے جو اسلامی تعلیمات کے منافی نہ ہوں۔ اور ایسا صرف اسی وقت ممکن ہو گا جب ہم ہر فیلڈ میں پہلے مسلم محققین و علماء کی تحقیقات کا جائزہ لیں پھر غیر مسلموں کے دیئے ہوئے نظریات کو مسلمانوں کے وضع کئے ہوئے اصولوں کی روشنی میں جائزہ لیں تاکہ کفر و اسلام میں امتیاز باقی رکھا جاسکے۔

مولانا احمد رضا خان کے علم الطبیعیات کے میدان میں خدمات اس سلسلے کی ایک نہایت ہی اہم کڑی ہے۔ چونکہ آپ نے علم الطبعیات کے مختلف میدانوں مثلاً صوتیات، روشنی، فلکیات، نظام شمسی، ایٹمی فزکس اور نیوکلئیر فشن کے متعلق کام کیا ہے۔ لہذا ایم فل کی سطح پر اس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

"مولانا احمد رضا خان کی علم الطبیعیات میں خدمات کا جائزہ"

باب اوّل : مولانا احمد رضا خان کے احوال وآثار اور علم الطبیعیات

فصل اوّل : مولانا احمد رضا خان کا تعارف

(i) مولانا احمد رضا خان کی تعلیم وتربیت

(ii) مولانا احمد رضا خان کی علمی خدمات

(iii) مولانا احمد رضا خان اور فتاوی رضویہ

فصل دوم : علم الطبیعیات کا مفہوم، اقسام اور اسکی ضرورت واہمیت

(i) علم الطبیعیات کا مفہوم (Concept of Physics)

◉ ◉ ◉ ◉ ◉

امام احمد رضا محدث بریلوی اور عالمی جامعات میں تحقیقی مقالات

سید وجاہت رسول قادری، محمد عبید الرحمٰن (ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، پاکستان)

جامعات کی سطحوں پر رضویات پر تحقیقی مقالات ایک نظر میں (حصہ دوم)

نمبر	سطح\نوعیت	تعداد
۷	امام احمد رضا پر ایم اے، ایم ایڈ اور ایل ایل ایم سطح کے مقالات	۲۰
۸	امام احمد رضا پر انڈر گریجویٹ اور درسِ نظامی سطح کے مقالات	۸
۹	امام احمد رضا پر محققین و اساتذہ کے جامعات میں پڑھے گئے مقالات	۷
۱۰	متعلقاتِ رضا پر ایم اے، ایم ایڈ اور ایل ایل ایم سطح کے مقالات	۲
۱۱	متعلقاتِ رضا پر محققین و اساتذہ کے جامعات میں پڑھے گئے مقالات	۱
	میزان	۳۸

امام احمد رضا پر ایم اے، ایم ایڈ اور ایل ایل ایم سطح کے مقالات

نمبر	اسکالر	عنوان	نگران	یونیورسٹی	سطح	منظوری	تفصیل
۱	خادم حسین، محمد اشرف	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی اصلاحی و تعلیمی خدمات		ادارۂ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	ایم ایڈ	۱۹۸۰ء	
۲	عبد الوحید گل، رشید احمد	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی نظریات و افکار		ادارۂ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	ایم ایڈ	۱۹۸۴ء	
۳	محمد اسلم، اصغر علی	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے افکار کی روشنی میں تصور تعلیم و نصاب		ادارۂ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	ایم ایڈ	۱۹۸۸ء	
۴	چوہدری محمد یعقوب، محمد حفیظ کمبوہ	مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا مودودی کے تعلیمی نظریات کا تقابلی جائزہ		ادارۂ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	ایم ایڈ	۱۹۹۰ء	
۵	محمد افضل، عبد القیوم	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی نظریات و افکار		ادارۂ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	ایم ایڈ	۱۹۹۱ء	
۶	سید شاہد علی نورانی	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی علمی خدمات	ڈاکٹر احسان اللہ و دیگر	ادارۂ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	ایم ایڈ	۱۹۹۲ء	۱ے
۷	سید صابر حسین شاہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں کا نظریۂ تعلیم اور اس کا اطلاقی پہلو	پروفیسر اعجاز احمد	وفاقی اُردو یونیورسٹی، کراچی، پاکستان	ایم ایڈ	۱۹۹۲ء	۲ے

نمبر	اسکالر	عنوان	نگران	یونیورسٹی	سطح	منظوری	تفصیل
۸	خالدہ پروین	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی افکار و نظریات کا جائزہ	پروفیسر فوزیہ اکرام	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، فیصل آباد	ایم ایڈ	۱۹۹۷ء	
۹	محمد عارف	امام احمد رضا خاں کے تعلیمی نظریات و افکار کا تحقیقی جائزہ	پروفیسر رؤف احمد خان	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، کراچی	ایم ایڈ	۱۹۹۸ء	۲
۱۰	محمد امین جنجوعہ	احمد رضا خان بریلوی کے افکار کی روشنی میں تصورِ تعلیم	پروفیسر چوہدری مقصود احمد و دیگر	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، لاہور	ایم ایڈ	۱۹۹۸ء	
۱۱	ذوالفقار علی، غلام احمد	امام احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی نظریات کا جائزہ		ادارۂ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	ایم ایڈ	۱۹۹۹ء	
۱۲	ایس ایم وارث	اصلاح معاشرہ کیلئے مولانا احمد رضا خاں کی سعی و کاوش کا جائزہ	پروفیسر نذیر احمد کھوکھر	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، فیصل آباد	ایم ایڈ	۱۹۹۹ء	
۱۳	ترک ولی محمد	امام احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے تعلیمی افکار و نظریات	محمد شکیل احمد	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، کراچی	ایم ایڈ	۲۰۰۰ء	
۱۴	غزالہ سعید، توصیف زمان	امام احمد رضا خاں بریلوی کے تعلیمی تصورات کا تحقیقی جائزہ	پروفیسر کوثر تسنیم	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فار ویمن، لاہور	ایم اے	۲۰۰۱ء	
۱۵	عظیم اللہ جندران	امام احمد رضا خاں اور علامہ محمد اقبال کے تعلیمی نظریات کا تقابلی جائزہ	محمد وحید	دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، پاکستان	ایم ایڈ	۲۰۰۲ء	
۱۶	محمد افضل صدیقی	A comparative study of modern educationists thoughts v. Ahmad Raza Hanfi's educational thoughts	پروفیسر عبد الغفار گوہر	گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، فیصل آباد	ایم ایڈ	۲۰۰۵ء	
۱۷	منور سلطانہ	امام احمد رضا خاں بریلوی کے افکار و نظریات کا انفرادی مطالعہ	پروفیسر شوکت علی خانزادہ	جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، پاکستان	ایم ایڈ	۲۰۰۶ء	
۱۸	عابدہ شاہین	جدید ماہرینِ تعلیم اور احمد رضا حنفی کے تعلیمی نظریات کا تقابلی مطالعہ	پروفیسر دلاور خاں	جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، پاکستان	ایم ایڈ	۲۰۰۷ء	
۱۹	تہمینہ تبسم	Imam Ahmad Raza's Educational Services	پروفیسر دلاور خاں	جامعہ ملیہ کالج آف ایجوکیشن	ایم ایڈ	۲۰۰۹ء	
۲۰	علی نواز	فتاویٰ رضویہ میں مباحثِ سیرت	ڈاکٹر خواجہ حامد بن جمیل	جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان	ایم اے	۲۰۰۹ء	۲

امام احمد رضا پر انڈر گریجویٹ اور درسِ نظامی سطح کے مقالات

نمبر	اسکالر	عنوان	نگران	یونیورسٹی	سطح	منظوری	تفصیل
۱	شوکت علی قادری	فاضلِ بریلوی اور اُصولِ فقہ		جامعہ نظامیہ رضویہ،	درسِ نظامی		

نمبر	اسکالر	عنوان	نگران	یونیورسٹی	سطح	منظوری	تفصیل
۲	محمد خالد حسین نوشاہی	فاضلِ بریلوی اور اُصولِ حدیث		جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان	درسِ نظامی		
۳	غلام مصطفیٰ	فاضلِ بریلوی اور علم طبیعات		جامعہ نظامیہ رضویہ	درسِ نظامی	۱۹۸۳ء	
۴	طارق منظور بٹ	امام احمد رضا بریلوی مرجع العلما		جامعہ نظامیہ رضویہ	درسِ نظامی	۱۹۹۷ء	
۵	عبدالمجتبیٰ خان ہزاروی	فتاویٰ رضویہ اور جدید مسائل		جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان	درسِ نظامی	۲۰۰۳ء	
۶	فرحان احمد قادری	امام احمد رضا کی تصنیف مالی الحبیب فی علوم الغیب		جامعہ انوار القرآن، کراچی، پاکستان	درسِ نظامی	۲۰۱۰ء	
۷	فرقان احمد قادری	حیاۃ الشیخ أحمد رضا خان و خدماتہ	ڈاکٹر محمد شریف صواف	شیخ احمد کفتار یونیورسٹی، شام	بیچلرز لائسنس	۲۰۱۱ء	
۸	سلمان اللہ خاں	امام احمد رضا کی علوم عقلیہ میں مہارتِ تامّہ پر شواہد اور خرافاتِ فلاسفہ کا ردّ بلیغ	مفتی احمد علی سعیدی	جامعہ نعیمیہ، کراچی، پاکستان	درسِ نظامی	۲۰۱۲ء	ہے

امام احمد رضا پر محققین و اساتذہ کے جامعات میں پڑھے گئے مقالات

نمبر	مقالہ نگار	وابستگی	عنوان	بمقام	پروگرام و تاریخ	تفصیل
۱	پروفیسر عبدالمجید نظامی	سابق صدر شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، انڈیا	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی	انگلش اینڈ فارن لینگویجز یونیورسٹی، حیدرآباد، انڈیا		
۲	پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف	صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، انڈیا	امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت	گلبرگہ، انڈیا	امام احمد رضا کانفرنس	
۳	ڈاکٹر شجاع الدین عزیز	صدر شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، انڈیا	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور سیرت النبی ﷺ	سالار جنگ میوزیم، انڈیا	سیرت النبی کانفرنس	
۴	ڈاکٹر عماد الدین	مدراس یونیورسٹی	مساهمة الشيخ احمد رضا خان فی علم الحديث	مدراس یونیورسٹی، انڈیا	سیمینار علم حدیث	
۵	محمد عرفان محی الدین	ریسرچ اسکالر، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، انڈیا	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور کتب تعریب	عثمانیہ یونیورسٹی، انڈیا		
۶	محمد عرفان محی الدین	ریسرچ اسکالر، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، انڈیا	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علماء عراق	عثمانیہ یونیورسٹی، انڈیا	ہند و عراقی ادب سیمینار	
۷	محمد عرفان محی الدین	ریسرچ اسکالر، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، انڈیا	مساهمة الشيخ احمد رضا خان فی علم الحديث الشريف	عثمانیہ یونیورسٹی، انڈیا	سیمینار حدیث سماجی مسائل حل کرنے میں	

نمبر	مقالہ نگار	وابستگی	عنوان	بمقام	پروگرام و تاریخ	تفصیل
			ومقاومة البدع والرد علیھا		کتنی موثر ہے	

متعلقاتِ رضا پر ایم اے، ایم ایڈ اور ایل ایل ایم کے مقالات

نمبر	اسکالر	عنوان	نگران	یونیورسٹی	سطح	منظوری	تفصیل
۱	حافظ محمد عطاالرحمٰن	مولانا امجد علی اعظمی کی تعلیمی خدمات کا جائزہ		انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	ایم اے	۲۰۰۱ء	۱
۲	سعدیہ حنا	جامعہ منظر الاسلام کا ارتقاء، خدمات و اثرات کا تحقیقی مطالعہ	پروفیسر دلاور خاں	جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، پاکستان	ایم ایڈ	۲۰۰۷ء	

متعلقاتِ رضا پر محققین و اساتذہ کے جامعات میں پڑھے گئے مقالات

نمبر	مقالہ نگار	وابستگی	عنوان	بمقام	پروگرام و تاریخ	تفصیل
۱	ڈاکٹر اُشا سانیال	کوئنز یونیورسٹی آف چارلوٹ، امریکا	The Sunni Bihishti Zewar—A Barelwi/ Ahl-e Sunnat Guide for Women	یونیورسٹی آف مشیگن، امریکا	A Conference in the Honor of Barbara Metcalf ۱۱ ستمبر ۲۰۰۹ء	۲

اظہارِ تشکر: مرتبین پروفیسر دلاور خاں، ڈاکٹر سلیم اللہ جندران، محمد عرفان محی الدین اور صبا نور کے ممنون ہیں جن کی فراہم کردہ معلومات نے درج بالا فہارس کی ترتیب اور تصحیح میں مدد دی۔ اساتذہ و محققین سے گزارش ہے کہ فہارس میں غیر موجود تحقیقات کی نشاندہی کریں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

تحدید: امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا پر تکمیل شدہ اور زیرِ تکمیل پوسٹ ڈاکٹریٹ، پی ایچ ڈی اور ایم فل سطح کے مقالات کی فہارس حصہ اوّل کے طور پر معارفِ رضا کے دسمبر کے شمارے میں ملاحظہ کریں۔ درج بالا فہارس میں جامعات میں ان سطحوں سے نچلی سطحوں پر ہونے والی تحقیق کو شامل کیا گیا ہے۔

اعتذار: درج بالا فہارس کی موجودہ صورت میں اشاعت اب تک ہونے والی تحقیقات کی باقاعدہ انداز میں نشاندہی کرنے کی محض ایک ابتدائی کوشش ہے اور کسی طور پر بھی حتمی نہیں۔ اساتذہ اور محققین کے معاونت سے انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں مزید جامع اور تفصیلی فہارس کو پیش کیا جائے گا۔

حواشی و تفصیل

۱ یہ مقالات (یا ان کا خلاصہ) شائع ہو چکے ہیں اور اکثر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی لائبریری میں موجود ہیں۔

۲ ان مقالات کی کاپی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ ادارہ لائبریری کے لئے دیگر محققین کے مقالات کا منتظر ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (ٹرسٹ) کی کاوشوں کی بدولت کثیر عالمی جامعات میں ایک بڑی تعداد میں اسکالرز امام احمد رضا قدس سرہٗ پر تحقیقی کام میں مشغول ہوئے اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا صبح قیامت جاری رہے گا۔ فالحمد للہ علی احسانہٖ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی الہٖ واصحابہ وعلماء ملّتہ اجمعین وبارک وسلّم۔

عالمی جامعات کے وہ اسکالر حضرات جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا یا دیگر علما و مشائخ اہلِ سنت پر مقالات لکھنے اور پڑھنے کے خواہشمند ہیں وہ اپنی رہنمائی، موضوعات کے انتخاب، خاکہ اور مواد و مآخذ کے لئے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے درج ذیل پتہ پر رجوع کر سکتے ہیں: ۲۵ جاپان مینشن، ریگل، صدر، کراچی، پاکستان۔ فون: ۰۲۱-۳۲۷۲۵۱۵۰ ای میل imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ www.imamahmadraza.net فیس بک www.facebook.com/imamahmadraza